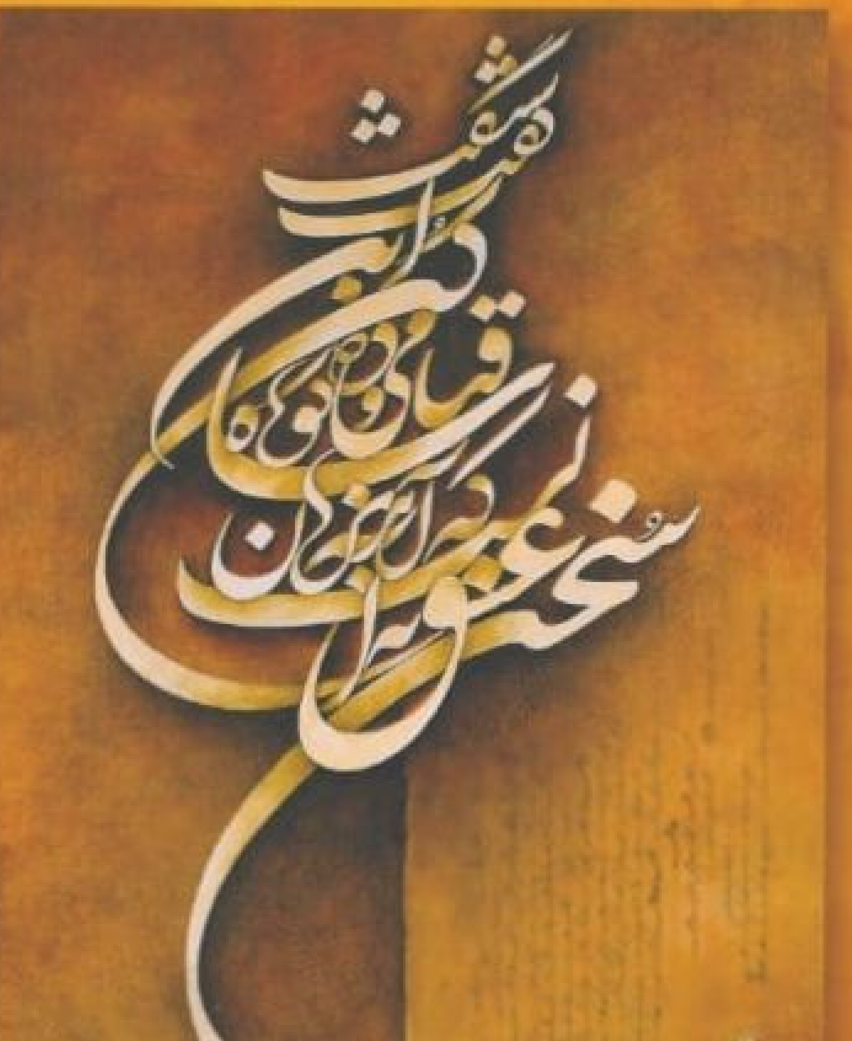
علامہ شبلی کے فارسی خطوط

ایک مطالعہ



ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

علامہ شبلی کے فارسی خطوط

ایک مطالعہ

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

بسم الله الرحمن الرحيم

علامہ شبلی کے فارسی خطوط

ایک مطالعہ

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

ALLAMA
SHIBLI KE FARSI KHOTOOT
Ek Motalea

Compiled by
Dr. Mohammad Ilyas Azmi
azmi408@gmail.com
+919838573645

Year of Edition Feb. 2022
ISBN 978-93-92496-88-2
Rs:150/-

کتاب :	علامہ شبلی کے فارسی خطوط۔ایک مطالعہ
ناشر ومولف :	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی
باراول :	فروری۔۲۰۲۲ء
قیمت :	۱۵۰ روپئے
صفحات :	۱۲۸
مطبع :	روشان پرنٹرس، دہلی۔۶
ملنے کا پتہ :	مکتبہ دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۷۶۰۰۱

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
H.o. D1/16, Ansari Road, Darya Ganj, New Delhi-110002 (INDIA)
B.o. 3191,Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6 (INDIA)
Ph: 45678203, 45678286, 23216162
E-mail: info@ephbooks.com,ephindia@gmail.com
website: www.ephbooks.com

انتساب

ڈاکٹر سید مسعود حسن

(خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ)

کے نام

ترتیب

○○○

دیباچہ

علامہ شبلی نے علم وفن کے جس میدان میں بھی قدم رکھا اپنی راہ الگ متعین کرنے کی شعوری کوشش کی اور انفرادیت کا نقش قائم کیا۔ان کا خیال ہے کہ ع

از بس کہ جادہ ہائے غلط شاہراہ شد
بے راہ رفتنم زطریق خطا نہ بود

یہی کوشش انہوں نے فارسی مکتوب نگاری کے میدان میں بھی کی ،مگر بہت جلد وہ اس کوچہ سے نکل گئے ۔تاہم فارسی خطوط کا جو سرمایہ محفوظ رہ گیا ہے وہ کچھ کم اہمیت کا حامل نہیں ۔ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ان کے فارسی مکتوبات کا مطالعہ وتجزیہ ابتک پیش نہیں کیا جاسکا ہے ۔فارسی مکتوب نگاروں میں ان کا نام اور ان کے خطوط کا ذکر نہ آنے کا ایک سبب یہ بھی ہے ۔اس کے برعکس ان کی فارسی شاعری پر متعدد مضامین و مقالات لکھے گئے اور فارسی شاعری کی تاریخ میں ان کا درجہ ایک بلند پایہ شاعر کی حیثیت سے مسلم اور تسلیم شدہ ہے۔ان کا فارسی کلیات بھی ہندو پاک سے شائع ہو چکا ہے ۔بلکہ فارسی کلیات ڈاکٹر محمد ریاض نے ایڈٹ کر کے ۱۹۸۸ء میں مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد سے شائع کرادیا ہے ۔اسے ہندوستان میں بھی شائع ہونا چاہئے۔

ناچیز فارسی زبان وادب کا طالب علم ہے اور نہ واقفیت رکھتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس میدان میں قدم رکھنے کا بھی حق نہیں ،لیکن بدرجہ مجبوری یہ کام کرنا پڑا ہے،اس لئے

کہ گذشتہ ایک صدی سے علامہ شبلی کے فارسی خطوط سے صرف نظر کیا جاتا رہا ہے۔ اور ابتک میری معلومات کے مطابق ان خطوط پر ایک بھی مقالہ نہیں لکھا گیا ہے۔

اس کتاب میں علامہ شبلی کے فارسی خطوط جو مکاتیب شبلی حصہ دوم میں درج ہیں اور جن کی کل تعداد ۳۳۳ ر ہے، انہیں نقل کر کے ان کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ ایک معتبر شبلی شناس ڈاکٹر خالد ندیم صاحب صدر شعبہ اردو یونیورسٹی آف سرگودھا کے قلم سے ہے۔ اسے میں نے شکریہ کے ساتھ ان کی کتاب ''اردو ترجمہ مکاتیب شبلی'' مطبوعہ دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی سے نقل کیا ہے۔ اس کتاب کا مقصد بس اس قدر ہے کہ اہل علم اور ارباب کمال کی توجہ علامہ شبلی کے فارسی مکتوبات کے مطالعہ وتجزیہ کی طرف مبذول کرائی جا سکے۔

ناچیز نے ان مکتوبات پر تعلیقات وحواشی لکھنے کا خصوصی اہتمام کیا ہے اور اس میں بڑی تگ ودو اور محنت کی ہے۔ راقم کا خیال ہے کہ سوانح شبلی کے ابتدائی دور کا صحیح اور بنیادی ماخذ یہی فارسی خطوط ہیں۔ اس لئے ان کا تحقیقی جائزہ سنجیدگی سے لینے کی ضرورت ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی نے مکاتیب شبلی حصہ دوم میں اور ڈاکٹر خالد ندیم نے ان کے اردو ترجمہ میں جو مختصر وضاحتی نوٹ لکھے ہیں، وہ اگرچہ انتہائی ناکافی ہیں، تاہم جہاں ضرورت محسوس ہوئی ہے انہیں باقی رکھا گیا ہے اور وہاں بریکٹ میں ان کا نام لکھ دیا گیا ہے۔ البتہ زیادہ تر حواشی کو از سر نو لکھنا پڑا ہے، اس لئے کہ اکثر توضیح طلب مقامات پر حواشی لکھے ہی نہیں گئے اور جہاں لکھے ہیں وہ خود بھی توضیح طلب ہیں۔

مکتوبات میں مذکور شخصیات ورجال کا تذکرہ لکھنے کا اہتمام ابتک نہیں کیا تھا۔ اس لئے اس کی طرف خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ ان میں بیشتر شخصیات عہد شبلی سے تعلق رکھتی ہیں یا پھر ان کے ابتدائی دور کے احباب ومتعلقین اور خانوادۂ شبلی کے افراد ہیں۔ ان کے احوال کی تلاش وتحقیق میں خاصی محنت کرنی پڑی ہے، اور کامیابی بھی خاطر خواہ ملی ہے۔ البتہ بہت سے بزرگوں کے احوال معلوم نہیں ہو سکے ہیں۔ ان کے نام کے سامنے اس کی وضاحت

کر دی گئی کہ تفصیل معلوم نہیں ہوسکی۔

اس کتاب کی ترتیب اس طرح ہے کہ پہلے مکتوب الیہ کا تذکرہ قلم بند کیا گیا ہے۔ بعد ازاں فارسی خطوط نقل کئے گئے ہیں اور پھر ان کا ترجمہ درج کیا گیا ہے۔ آخر میں تعلیقات وحواشی ہیں۔ افادیت کے پیش نظر اشاریہ وکتابیات کا بھی اندراج کیا گیا ہے۔

مکتوب الیہ کا تذکرہ قدرے اہتمام سے لکھا گیا ہے اور جس قدر معلومات مہیا ہوسکی ہیں وہ درج کی گئی ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ بیشتر مکتوب الیہ کے احوال ملتے ہی نہیں اور ان میں زیادہ تر کا تعلق علامہ شبلی کی ابتدائی زندگی بلکہ علی گڑھ جانے سے پہلے کے احباب اور بزرگوں کا ہے۔ مکتوب الیہ بھی بیشتر انہی کے خانوادے کے افراد ہیں۔ اس لئے جو کچھ ہاتھ آیا ہے بلاکم وکاست پیش کر دیا گیا ہے۔ بعض مقامات پر طوالت اور بعض جگہ اختصار کا احساس ہوگا مگر واقعہ یہ ہے کہ جس قدر معلومات دستیاب ہوئیں ہیں وہ درج کر دی گئی ہیں۔ ممکن ہے آیندہ کسی اور ذرائع سے ان میں اضافہ ہو جائے۔

مکتوبات اور ان کے تراجم کے اندراج سے پہلے ایک مختصر سا مقالہ ''علامہ شبلی کے فارسی خطوط'' موضوع کی مناسبت سے شامل کیا گیا ہے۔ مجھے امید نہیں بلکہ یقین ہے کہ مجھ کم مایہ کی یہ جسارت فارسی دانوں کو ناگواری کا باعث ہونے کے باوجود کچھ کرنے کے لئے مہمیز کرسکتی ہے اور وہ علامہ شبلی کی فارسی خدمات بالخصوص فارسی مکتوبات نگاری کا جائزہ لیں گے اور دیکھیں گے کہ ان مکتوبات میں کہیں مرزا غالب اور ان کی انفرادیت کا سراغ تو نہیں ملتا ہے۔ بلاشبہ ان پر مرزا غالب کے اثرات محسوس ہوتے ہیں۔ حالانکہ ایک ممتاز اہل قلم اور فارسی زبان وادب کے پارکھ ڈاکٹر شعیب اعظمی نے علامہ شبلی کو مخالف غالب قرار دے کر حاشیہ آرائی کی تھی۔ شاید ان کی نظر سے علامہ کے یہ مکتوبات اوجھل رہے۔ بہرحال امید ہے کہ اس مطالعہ سے ان کے سر سے یہ الزام بھی اتر جائے گا۔

اس کام کی تکمیل پر میں اپنے مالک حقیقی کے حضور سربسجود ہوں کہ کم مائیگی کے باوجود

اس نے تکمیل کی توفیق بخشی۔

استاذ گرامی ڈاکٹر فخر الاسلام اعظمی صاحب سابق صدر شعبہ عربی شبلی نیشنل پی جی کالج کی جس طرح عربی زبان وادب پر گہری نگاہ ہے اسی طرح وہ فارسی ادبیات سے بھی بخوبی واقف ہیں۔ میں ان کا بے حد شکر گذار ہوں کہ انہوں نے اس کا مطالعہ کیا اور نہایت غور سے ملاحظہ فرمایا، جس سے کتاب اغلاط سے پاک ہوگئی۔ اللہ تعالی ان کا سایہ شفقت تادیر قائم رکھے۔

عزیز گرامی مولانا محمد عرفات اعجاز اعظمی کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے کہ ادھر چند برسوں میں میری جو کتابیں شائع ہوئی ہیں ان کا اشاریہ بنا کر انہوں نے کتاب کی افادیت میں اضافہ کیا ہے۔ برادرم عرفات اعجاز اعظمی اشاریہ سازی صرف میری محبت میں کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک کثیر المطالعہ، ذی علم اور صاحب ذوق اہل علم وقلم ہیں۔ کم عمری میں ماشاء اللہ بڑی پختہ نثر لکھتے ہیں۔ بڑی بات یہ ہے کہ ان میں تساہل بھی نہیں ہے۔ مسلسل کام کرتے رہتے ہیں، لیکن اہل علم کی قدر دانی کا مذاق اب ہماری قوم سے اٹھ رہا ہے، اس لئے بہت سے قیمتی افراد ضائع ہوجاتے ہیں۔ اللہ تعالی انہیں محفوظ رکھے۔

میرے دیگر علمی منصوبوں کی طرح اس کتاب کی تکمیل میں بھی میرے بچوں نے بھر پور حصہ لیا۔ آرام وراحت اور دوا علاج کے سوا ذاتی کتب خانہ سے کتابیں بھی فراہم کرتے رہے۔ اللہ تعالی انہیں کامرانیوں سے ہم کنار کرے۔

ناچیز
محمد الیاس الاعظمی
۹ر نومبر ۲۰۲۱ء (یوم اردو)

علامہ شبلی کے فارسی خطوط

علامہ شبلی نعمانی[۱۸۵۷ء-۱۹۱۴ء] ایک نابغہ روزگار شخصیت تھے۔ان کا ادبی سرمایہ ہمارے ذخیرہ ادب کی بڑی قیمتی متاع ہے۔اس کی اہمیت اورافادیت پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے۔اس کا ایک اندازہ کتابیات شبلی کے مشمولات سے لگایا جاسکتا ہے۔

علامہ شبلی کا سرمایہ ادب جو دراصل سرمہ ادب ہے، تین زبانوں اردو عربی اور فارسی پر محیط ہے۔ان کا پہلا رسالہ''اسکات المعتدی علی انصات المقتدی''اور آخری تصنیف''الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی''عربی زبان میں ہیں۔علاوہ ازیں ان کے عربی زبان میں نو خطوط بھی شائع ہوئے ہیں۔جنہیں مکاتیب شبلی حصہ دوم اور مراسلات شبلی میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح فارسی زبان وادب پر انہیں بے پناہ دست رس حاصل تھی۔اس کا بہترین نمونہ تو پانچ جلدوں میں شعرالعجم ہے،لیکن کلیات فارسی بھی شائع ہو چکا ہے۔دستہ گل ، بوئے گل،اور برگ گل بھی ان کے قند پارسی پر زبردست عبور ومہارت کے نمونے ہیں۔ خطوط اور بعض دیگر تحریریں بھی فارسی میں طبع ہو چکی ہیں۔

لیکن ان کی تمام معرکہ آرا تصنیفات اردو زبان میں ہیں۔ان کی تفصیل کا یہ موقع نہیں لیکن اس قدر ضرور کہا جاسکتا ہے کہ علامہ شبلی کے سرمایہ علمی میں بڑا تنوع اور طرفگی ہے۔

علامہ شبلی کے مکاتیب کے کئی مجموعے شائع ہوئے۔ان کی تفصیل اس طرح ہے:

۱۔ مکاتیب شبلی اول ۔ مرتبہ مولانا سید سلیمان ندوی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ، ۲۰۱۰ء
۲۔ مکاتیب شبلی دوم ۔ مرتبہ مولانا سید سلیمان ندوی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ، ۲۰۱۲ء
۳۔ خطوط شبلی ۔ مرتبہ منشی محمد امین زبیری، ظل السلطان بک ایجنسی بھوپال
۴۔ خطوط شبلی بنام آزاد ۔ مرتبہ سید محمد حسنین، بہار اردو اکادمی پٹنہ، ۱۹۸۸ء
۵۔ مراسلات شبلی ۔ مرتبہ محمد الیاس الاعظمی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ، ۲۰۱۶ء
۶۔ مکتوبات شبلی ۔ مرتبہ محمد الیاس الاعظمی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ، ۲۰۲۱ء

ان تمام مجموعہ ہائے مکاتیب میں علامہ شبلی کے کل ۱۲۲۲ر خطوط شامل ہیں۔ ان میں پانچ مکتوب الیہ کے نام چھ عربی خطوط اور دس اشخاص کے نام ۳۳ر فارسی خطوط بھی شامل ہیں، جنہیں مولانا سید سلیمان ندوی [۱۸۸۴-۱۹۵۳ء] نے مکاتیب شبلی حصہ دوم میں عربی خطوط سے پہلے درج کیا ہے۔ یہاں مکتوب الیہ کے نام اور خطوط کی تعداد درج کی جاتی ہے:

۱۔ شیخ حبیب اللہ	۲۔ خطوط
۲۔ شیخ عجیب اللہ	۱۔ خط
۳۔ مسٹر مہدی حسن	۳۔ خطوط
۴۔ مولوی حکیم محمد عمر	۳۔ خطوط
۵۔ مولانا حمید الدین فراہی	۲۔ خطوط
۶۔ مولوی محمد عمر	۸۔ خطوط
۷۔ مولوی محمد سمیع	۱۱۔ خطوط
۸۔ اکبر صاحب	۱۔ خط
۹۔ فرحت احمد	۱۔ خط
۱۰۔ ہز ہائینس آغا خان	۱۔ خط
میزان	۳۳ر خطوط

یہ خطوط علامہ شبلی نعمانی کے عہد شباب کی یادگار ہیں۔ وہ ۲۵ر سال کی عمر میں فروری ۱۸۸۳ء میں ایم اے او کالج علی گڑھ سے بحیثیت پروفیسر وابستہ ہوئے۔ اس سے پہلے ان کے خطوط کی زبان فارسی تھی۔ اس عرصہ میں انہوں نے جتنے خطوط لکھے ہیں وہ سب فارسی میں ہیں۔ افسوس ان کا بڑا حصہ ضائع ہوگیا۔

علی گڑھ سے وابستگی کے بعد علامہ شبلی کی زبان اردو ہوگئی۔ اگرچہ بعض خطوط اس کے بعد بھی فارسی میں لکھے، لیکن درحقیقت علی گڑھ جا کر یہ سلسلہ تقریباً ختم ہوگیا۔ اور فارسی کی جگہ اردو نے لے لی۔

علامہ شبلی نعمانی فارسی خطوط اہتمام سے لکھا کرتے تھے۔ اور احباب سے انہیں محفوظ رکھنے کی درخواست بھی کیا کرتے تھے، جیسا کہ آئندہ اوراق میں ان کے بعض خطوط سے معلوم ہوگا۔ اسی طرح جب کوئی خط دلچسپ لکھ جاتا تو اسے احباب و متعلقین کو دکھانے اور پڑھانے کی بھی تلقین کرتے تھے۔ اس زمانہ میں ان پر فارسی کا ایسا نشہ تھا کہ اردو میں لکھنا بھی عار سمجھتے تھے۔ ''سیرۃ النعمان'' کے منظوم دیباچہ میں فرماتے ہیں:

گرچہ مرا شیوۂ فن ایں نہ بود
حرف بہ اردو زدن آئیں نہ بود

مگر مرزا غالب [۱۷۹۷-۱۸۶۹ء] کی طرح ان کے اردو کلام اور اردو مکاتیب ہی نے انہیں بھی بقائے دوام کی دولت سے سرفراز کیا۔ کلیات شبلی اردو اور اردو مکاتیب شبلی نے بڑی مقبولیت پائی۔ ایک نقاد نے تو ان کے اردو مکاتیب کو قومی اعمال نامہ قرار دیا ہے۔ اور بلاشبہ ان کے خطوط میں نہ صرف اس عہد کا ہندوستان زندہ و تابندہ نظر آتا ہے بلکہ عالم اسلام کی علمی و تعلیمی سرگرمیوں کی اطلاعات بھی فراہم ہوتی ہیں۔ ہندوستان میں ملک و ملت کا شاید ہی کوئی ایسا قابل ذکر پہلو ہو جو اس میں مضمر نہ ہو۔ بالخصوص تعلیم اور متعلقات تعلیم اور ان کی علمی و ادبی تصنیفی سرگرمیوں کا ان خطوط سے مکمل احاطہ کیا جا سکتا ہے۔ ان سے اندازہ

ہوتا ہے کہ واقعی ان کے خطوط قومی اعمال نامہ ہیں۔لیکن باوجود اہتمام کے یہ خوبیاں ان کے فارسی خطوط میں نہیں پائی جاتیں۔غالباً اسی سبب سے ڈاکٹر نذیر احمد [۱۹۱۵-۲۰۰۸ء] نے لکھا ہے کہ علامہ شبلی اگر بھر پور توجہ دیتے تو فارسی کے عمدہ نثر نگار ہو سکتے تھے۔لیکن ہمیں ڈاکٹر صاحب کے اس نقطہ نظر سے اس لئے اختلاف ہے کہ ان کی رائے عام فارسی نثر نگاری کے پس منظر میں ہے۔اگر وہ خاص ہندوستان کے پس منظر میں ان کا تجزیہ کرتے تو یقیناً ان کا نقطہ نظر اس کے برعکس ہوتا۔

عربی نثر نگاری میں علامہ شبلی جس طرح جاحظ [۷۷۶-۸۶۸ء] سے متاثر تھے، اسی طرح فارسی نثر نگاری میں وہ مرزا غالب سے متاثر تھے۔ ڈاکٹر نذیر احمد نے ان کی نثر نگاری بالخصوص فارسی مکتوبات کی نثر پر روشنی ڈالی ہے اور لکھا ہے کہ

> ''فارسی نثر میں وہ غالب سے متاثر ہیں۔اسی وجہ سے ان کے بعض الفاظ وفقرے مولانا نے لے لئے ہیں۔جیسے ہمانا، لختی، برآنبود، مایہ برخورداری، بادیہ پیمائی، ہرزہ ورائی، ستیزۂ چرخ، آویزش بخت، آبی برآتش زدن، چشم غم خواری، پاسخ، کشاکش غم، ہرزہ گردی، از ہر دری سخن، رفتن ودنداں بدل فشردن، چہ مایہ انصاف بالائے طاعت است، آوخ، دروغ راست مانا، ہیچ است، اندیشہ بدامن خاطر اویخت، کالائے راستی۔'' (ماہنامہ معارف فروری ۱۹۸۰ء ص ۱۰۶)

ڈاکٹر صاحب نے یہ مثالیں فارسی خطوط شبلی سے نقل کی ہیں۔وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مرزا غالب کی پیروی میں علامہ شبلی ماضی تمنائی کا استعمال کثرت سے کرتے ہیں۔اورانہوں نے اس کی متعدد مثالیں بھی اپنے مضمون کے اخیر میں درج کی ہیں۔

(ماہنامہ معارف فروری ۱۹۸۰ء ص ۱۰۶)

ڈاکٹر نذیر احمد نے مکاتیب شبلی فارسی کی خصوصیات کا بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

ان کا خیال ہے کہ علامہ شبلی کے خطوط کی زبان اکثر مسجع ہوتی ہے۔ مثلاً

انجمنے از یاران ساز پذیرفتہ است وہر یکے از ہر دری سخن پیوستہ
تن بہ رضا داد دست از طلب باز داشتہ سر بفرمان نہادہ
من گاہے خموشم وقتے در دفع ایں مطاعن می کوشم،

ان کا یہ بھی خیال ہے کہ خطوط شبلی کی زبان بامحادرہ اور رواں دواں ہوتی ہے۔ اسی طرح علامہ شبلی نعمانی کے اسلوب نگارش کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ ادیبانہ ہے۔ (ایضاً ص ۱۰۷) مگر انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ادیبانہ طرز اور بامحاورہ زبان کے باوجود کہیں کہیں اردو رنگ غالب ہے۔ ان کی چند مثالیں بھی انہوں نے نقل کی ہیں۔ آخر میں وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ

> ''ان کے خطوط دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ نے نثر کی طرف کوئی خصوصی توجہ نہیں کی، ورنہ ان میں وہ جوہر فطری طور پر موجود تھا کہ فارسی نثر میں بھی ان کا وہی مرتبہ ہوتا جو شعر میں تھا۔
>
> (ایضاً ص ۱۰۹)

علامہ شبلی کے یہ فارسی خطوط ان کی ابتدائی زندگی کے ہیں۔ البتہ سرسید احمد خاں کے سفرنامہ پنجاب پر انہوں نے فارسی میں جو دیباچہ لکھا ہے وہ شاید ڈاکٹر صاحب کے پیش نظر نہیں رہا۔ اس کی فارسی نثر ان خطوط کی نثر سے زیادہ پختہ اور زیادہ فصیح ہے۔

یہاں ان کی عام نثر نگاری سے بحث نہیں بلکہ خطوط نگاری کی خصوصیات سے بحث ہے۔ وہ فارسی خطوط بہت اہتمام سے لکھا کرتے تھے۔ ایک خط کے سرے پر لکھا ہے ''بہ ترک الفاظ عربی''۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انہیں فارسی خطوط سے کس درجہ دلچسپی تھی۔

ان خطوط کی اشاعت کا بھی انہیں ایک بار خیال پیدا ہوا تھا۔ اور مولوی محمد سمیع کے نام ایک خط میں لکھا ہے کہ میرے فارسی خطوط اور کلام جمع کر کے مولانا فاروق چریا کوٹی

[۲۷/اکتوبر۱۹۰۹ء] کے پاس بھیج دو، مگر پھران پر اردو کا نشہ ایسا چڑھا کہ یہ تمام باتیں دھری کی دھری رہ گئیں۔

مولانا سید سلیمان ندوی کے سلسلۂ شبلی شناسی کا ایک بڑا عظیم الشان کارنامہ علامہ شبلی کے مکاتیب کا حصول، ترتیب وتدوین اور دو جلدوں میں اشاعت بھی ہے۔ فارسی خطوط کے بارہ میں انہوں نے کلیات کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ

> ''مولانا کے خطوط کا جو ذخیرہ ہمارے پاس موجود ہے، اس کی قدیم سے قدیم تاریخ ۱۸۷۲ء تک پہنچتی ہے۔ (فارسی مکتوب نمبر۱) اس زمانہ میں شرفا کی مراسلت کی زبان فارسی تھی۔ چنانچہ ۱۸۸۲ء تک جب تک مولانا علی گڑھ نہیں گئے تھے ان کے تمام تر خطوط فارسی زبان میں ملتے ہیں۔ وہاں جانے کے بعد بھی ان لوگوں کو جن کی نسبت معلوم تھا کہ ان کو فارسی سے ذوق ہے اسی زبان میں خط و کتابت کرتے تھے۔ یہ فارسی خطوط مولانا عموماً قلم برداشتہ لکھتے تھے، لیکن ان میں بعض خط ایسے بھی ہیں جو انہوں نے کوشش اور محنت سے لکھے ہیں۔ ایک خط کے سرے پر لکھا ہے کہ ''بہ ترک الفاظ عربی'' ان خطوط کی زبان رواں، بامحاورہ عبارت مقفیٰ لیکن بےتکلف ہے۔''

(مکاتیب شبلی، حصہ اول ص ۷)

مذکور دونوں ادیبوں مولانا سید سلیمان ندوی اور ڈاکٹر نذیر احمد کی فارسی شعر و ادب پر بڑی گہری نگاہ تھی۔ اس لئے ان کے خیالات نقل کئے گئے۔ ان کے آراء وخیالات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ علامہ شبلی نعمانی کے فارسی خطوط کی اہمیت کچھ کم نہیں۔ البتہ ان کے فارسی کلام سے کم رتبہ ہیں۔

علامہ شبلی کے فارسی خطوط جیسا کہ اوپر آچکا ہے کہ ان کے ابتدائی اور علی گڑھ کالج

سے وابستگی سے پہلے کے حالات وسوانح کا بنیادی ماخذ بھی ہیں۔ ''حیات شبلی'' میں بھی ان کو بنیادی ماخذ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔اور کئی اہم سوانحی پہلوؤں کی ان سے وضاحت بھی ہوتی ہے۔اس لئے ان کی اپنی الگ نوع کی اہمیت ہے۔

ابتدائی خانگی زندگی میں ماں، باپ، بھائی سے تعلقات، والدہ کی وفات اوران کی یاد،اس دور کے بعض احباب اور متعلقین،علم وادب سے شغف اور گہری وابستگی وغیرہ موضوعات پرعلامہ شبلی کے فارسی خطوط کے بغیران کے سوانح نگار کا قلم آگے نہیں بڑھ سکتا۔ بلاشبہ علامہ شبلی کے فارسی خطوط متنوع اہمیت کے حامل ہیں۔

فارسی خطوط اور ان کا ترجمہ

مکتوب الیہ(۱)

شیخ حبیب اللہ

شیخ حبیب اللہ[م:۱۲رنومبر۱۹۰۰ء]علامہ شبلی نعمانی کے والد،اعظم گڑھ کے رئیس، نامور وکیل اورایک بڑے زمیندار تھے۔ابتدائی تعلیم کے بعدرواج زمانہ کے مطابق فارسی زبان وادب کی تعلیم حاصل کی۔علامہ شبلی نے''شعرالعجم''میں ان کے مذاق شعروادب کاایک واقعہ نقل کیاہےاورلکھاہے کہ

''میری طالب علمی کازمانہ تھا کہ ایک دن ایک صحبت میں کسی نے کلیم کا یہ شعر پڑھا

سر بہ بستاں چوں دہد جلوہ یغمائی را
اول از سر و کند جامہ رعنائی را

والدمرحوم بھی تشریف رکھتے تھے۔میں نے کہا کپڑااتارنے کو جامہ کشیدن بھی کہتے ہیں،اس لئے شاعر اگر کند کے بجائے کشد کہتاتو زیادہ فصیح ہوتا۔جامہ کندن گو صحیح ہے لیکن فصیح نہیں۔سب چپ ہو گئے۔والدمرحوم نے ذرا سوچ کر کہا کہ''نہیں یہی لفظ شعر کی جان ہے۔شعر کا مطلب یہ ہے کہ معشوق باغ میں جب غارت گری کی

شان دکھاتا ہے تو پہلے سرو کی رعنائی کا لباس اتار لیتا ہے۔ لباس اتارنے کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ مثلاً کوئی شخص گرمی وغیرہ کی وجہ سے کپڑا اتار کر رکھ دے یا اس کا نوکر اتارے۔ دوسرے یہ کہ سزا کے طور پر کسی کے کپڑے اتروالئے جائیں یا نچوالئے جائیں۔ فارسی میں اس کے لئے دو مختلف لفظ ہیں۔ جامہ کشیدن اور جامہ کندن۔ چونکہ یہاں مقصود یہ ہے کہ معشوق ذلت کے طور پر سرو کا کپڑا اتار لیتا ہے اس لئے جامہ کندن کا لفظ جامہ کشیدن سے زیادہ موزوں ہے۔

تمام حاضرین نے اس توجیہ کی بے ساختہ داد دی۔''

(شعر العجم ج ۴ ص ۱۴۔ طبع ہشتم ۱۹۸۶ء)

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شیخ حبیب اللہ فارسی زبان وادب پر کس درجہ گہری نگاہ رکھتے تھے اور ان کا مذاق شعر وادب کس درجہ پختہ تھا۔

تحصیل علم کے بعد انہوں نے الہ آباد ہائی کورٹ سے وکالت کا امتحان پاس کیا اور اعظم گڑھ میں وکالت کرنے لگے۔ ان کی سوجھ بوجھ، فہم وفراست اور سلیقہ مندی کی وجہ سے بہت جلد ان کا شمار اعظم گڑھ کے نامور وکلا اور قانون کے بڑے واقف کاروں میں ہونے لگا۔ وکالت کے ساتھ انہوں نے زمینداری اور نیل کا کاروبار بھی جاری رکھا۔ دیوارہ کی بعض زمینداریاں بھی خریدیں۔

رفاہی کاموں میں بھی وہ بڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ اسی شعور ووجاہت کی بنا پر انہیں شہر اعظم گڑھ میونسپلٹی کا آنریری سکریٹری نامزد کیا گیا، جس پر وہ برسوں فائز رہے۔

شیخ حبیب اللہ پہلے قدیم دینی تعلیم کے بڑے حامی تھے۔ ایک بزرگ الٰہی شاہ سے بیعت بھی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی اولاد کو دینی تعلیم دلائی۔ بڑے بیٹے محمد شبلی کو عالم دین اور منجھلے بیٹے مہدی حسن کو حافظ قرآن بنایا۔ اس وقت شہر اعظم گڑھ میں دینی تعلیم کا

کوئی نظم نہیں تھا۔ چنانچہ انہوں نے شہر اعظم گڑھ میں ایک مدرسہ عربیہ کی بنیاد ڈالی۔ جس میں مولوی فیض اللہ مئوی اور مولانا محمد فاروق چریا کوٹی [م:۲۷/اکتوبر۱۹۰۹ء] وغیرہ کو استاذ مقرر کیا۔ جس میں تعلیم وتعلم کا سلسلہ کئی برس جاری رہا۔ علامہ شبلی اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے بڑے بھائی حکیم عبدالوہاب انصاری نابینا [۱۲۷۰-۱۳۶۰ء] وغیرہ اسی مدرسہ عربیہ اعظم گڑھ کے فیض یافتہ تھے۔ یہ تقریباً سن ۷۴-۱۸۷۳ء کی بات ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شیخ حبیب اللہ اپنے عہد کے کس قدر ہوش منداور زمانہ شناس شخص رہے ہوں گے۔

بعدازاں وہ سرسید احمد خاں کے زیر اثر آئے جوان دنوں ضلع اعظم گڑھ کے سرحدی ضلع غازیپور میں منصف کے عہدہ پر فائز تھے۔ دونوں میں تعلقات قائم ہوئے تو پھر شیخ حبیب اللہ انہی کے ہوکر رہ گئے۔ مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے قیام سے پہلے اعظم گڑھ میں جن لوگوں نے اس کے قیام کے لئے مالی تعاون کیا ان میں ایک نام شیخ حبیب اللہ کا بھی ہے۔ یہ سلسلہ کالج کے قیام کے بعد بلکہ سرسید جب تک حیات رہے، قائم رہا۔ اسی تعلق اور ہم خیالی کی بنا پر سرسید نے جب انڈین پیٹریاٹک سوسائٹی قائم کی اور مختلف شہروں میں اس کے کرسپانڈنگ رکن بنائے تو اعظم گڑھ میں شیخ حبیب اللہ صاحب کو کرسپانڈنگ رکن نامزد کیا۔

نیشنل اسکول اعظم گڑھ جس کی بنیاد علامہ شبلی نعمانی نے ڈالی تھی، اس کی انتظامیہ کے پہلے صدران کے والد شیخ حبیب اللہ وکیل ہی تھے۔ بلکہ جب تک وہ حیات رہے مسند صدارت پر وہی متمکن رہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اعظم گڑھ کو جن لوگوں نے علمی وتعلیمی اعتبار سے ترقی دی اور وقار بخشا، ان میں ایک بہت نمایاں نام شیخ حبیب اللہ کا ہے۔ علامہ شبلی کے تو وہ سب کچھ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شبلیاتی ادب میں ان کا کثرت سے ذکر آیا ہے۔ خاص طور سے ''مکاتیب شبلی'' کی دونوں جلدیں اور راقم کی مرتب کردہ ''مکتوبات شبلی'' ان کے ذکرواذکار سے پر ہیں۔ اردو ''کلیات شبلی'' میں مرثیہ محمد اسحاق وکیل میں بھی کئی مقامات پر

ان کا نام آیا ہے اور ظاہر ہے اس میں ان کا ذکر تو آنا ہی تھا۔ فارسی کلیات شبلی میں شیخ حبیب اللہ کی وفات پر کہا گیا علامہ کا پردرد مرثیہ شامل ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ شفیق باپ کی جدائی پر بیٹے نے جو آنسو بہائے ہیں اور جس رنج وغم کا اظہار کیا ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ صرف علامہ شبلی ہی کا نہیں بلکہ ہمارا بھی درد ہے۔ اس کا آغاز ان اشعار سے ہوا ہے:

ہاں اے پدر نہ گویمت ایں ورز وآں مکن
زنہار عزم رہروی آں جہاں مکن

دعوائے صبر گہ بہ غلط ہم نہ کردہ ام
ہاں اے پدر! بہ صبر مرا ، امتحاں مکن

آٹھ آٹھ شعر کے چار بندوں پر مشتمل یہ مرثیہ رنج وغم اور حزن وملال کا ایک دلگداز نوحہ ہے اور پڑھنے والے کو بے قرار کر دیتا ہے۔ (کلیات شبلی فارسی ص:۴۲)

ان کے نام فارسی کے دو خطوط ہیں۔

مکتوب نمبر:۱

مکرمی خدمت جناب والد ماجد!

مرا دو ماہ می گزرد کہ ترک وطن کردہ ام، و بہ بیگانگان بسر بردہ ام، بست و پنج روپیہ عنایت شدہ بود، سہ روپیہ بکرایہ یکہ از اعظم گڑھ تا جونپور رفت وہفت روپیہ صرف ریل تا بہ سہارن پور شد، و پنج روپیہ از آنجا تا بہ لاہور، دہ روپیہ باقی می ماند، اول کہ دریں جا رسیدم دو یک روپیہ بحوائج ضروریہ کہ در وقت قیام جائے پیش می آید صرف شد، و چوں در ینجا جائے قیام نبود، مکانے بہ کرایہ یک روپیہ گرفتم، دو ماہ را دو روپیہ کرایہ می شود، آنچہ باقی می ماند بصرف طعام آمد، اگر انصاف رود بچند اں کفایت بسر بردہ ام کہ بیش از و متصور نیست، چوں

مزاج عالی اند کے برہمی داشت از تکلیف ارسال صرف باز ماندم، اکنوں کار مشکل افتاد است، دیگر چہ گویم تاخیر آزار تمام باعث خواہد بود۔

حد ادب
شبلی نعمانی
۱۲۸۹ھ

ترجمہ:

مکرمی (۱) خدمت جناب والد ماجد

آج مجھے گھر چھوڑے اور اجنبیوں کے ساتھ رہتے دو مہینے ہو رہے ہیں۔ مجھے [آپ کی طرف سے] پچیس روپے عنایت ہوئے تھے؛ جن میں سے تین روپے اعظم گڑھ سے جون پور تک تانگے کے کرایے پر اُٹھ گئے۔ سات روپے سہارن پور جانے کے لیے ریل کے ٹکٹ پر صرف ہوئے اور پانچ روپے وہاں سے لاہور آنے پر (۲)۔ یوں دس روپے باقی بچے۔ یہاں پہنچتے ہی ایک دو روپے حوائج ضروریہ پر خرچ ہو گئے۔ چونکہ یہاں رہائش کا کوئی انتظام نہ تھا، مکان ایک روپیہ کرایے پر لیا اور یوں دو ماہ میں دو روپے کرائے پر اُٹھ گئے جو باقی بچ رہے وہ خوراک پر خرچ ہو گئے۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو مَیں نے جس قدر کفایت سے کام لیا اس سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ چونکہ مزاجِ گرامی کسی قدر برہم تھا، (۳) اس لیے خرچ بھیجنے کی زحمت دینے سے باز رہا۔ [لیکن] اَب مشکل میں ہوں؛ اَور کیا کہوں، تاخیر ہوئی تو مصائب مزید بڑھ جائیں گے۔

حدِ ادب
شبلی نعمانی
۱۲۸۹ھ (۴)

مکتوب نمبر:۲

اعلیٰ حضرت!

آداب بخیریت ہستم وخیریت خواہ مزاج اقدس، نامہ والا رسید وکام روائے جان و دل گردید، درقریب روزگار عریضہ مع گلستان مطبوعہ لندن ارسال خدمت کردہ ام، اگر نہ رسیدہ است از نارسائی بخت است، مرادریں میان جرمے نیست در چندروزے مدرسہ اینجا تعطیل خواہد یافت، تعطیل تادوماہ خواہد ماند۔

حضرت استاذ بوطن خویش یعنی سہارن پورتشریف خواہند برد، ایں قدر ناغہ نتوان کرد، مراہم عزم سہارن پور است، دیگر ہرآنچہ مرضی باشد، طرفہ تماشائے است عزیزی مہدی می نویسد کہ ''جناب مولانا مولوی محمد فاروق صاحب درتعلیم بندہ تساہلی بکار برند'' و جناب ممدوح مرانوشتہ اند کہ ''عزیز مذکور را درتحصیل علم التفاتے نیست'' خدائے داند ازیں میان حق بجانب کیست، بجناب والدہ عرض آداب و برادر صاحب وحضرت منشی صاحب تسلیم، وبعزیزی محمد اسحٰق سلام ودعا۔

محمد شبلی عفی عنہ

(لاہور)

ترجمہ:

اعلیٰ حضرت!

آداب۔ مَیں خیریت سے ہوں اورآپ کی خیریت کا طالب ہوں۔ والا نامہ ملا، جان و دل کوقرار آ گیا۔ کچھ دن پہلے عریضہ مع گلستاں مطبوعہ لندن آپ کی خدمت میں ارسال کیا تھا، اگرنہیں ملاتو میرے بخت کی نارسائی، اس میں میری کوئی خطانہیں۔

چندروز بعد یہاں مدرسے(۵) میں تعطیلات ہونے والی ہیں، جو دو ماہ تک چلیں

گی۔استادِ محترم(۶) اپنے وطن یعنی سہارن پور تشریف لے جائیں گے۔مَیں اتنے دِنوں ناغہ نہیں کرسکتا،اس لیےمَیں نے بھی سہارنپور کا عزم کرلیا ہے؛ باقی جواللہ کی مرضی۔

طرفہ تماشا،عزیزی مہدی کا کہنا ہے کہ ''جناب مولانا محمد فاروق صاحب (۷) میری تعلیم میں تساہل سے کام لیتے ہیں''، جب کہ جنابِ ممدوح لکھتے ہیں کہ ''عزیز مذکور کا تعلیم کی طرف التفات نہیں۔'' خداہی جانتا ہے کہ ان میں حق بجانب کون ہے۔؟

والدہ محترمہ(۸) کی خدمت میں آداب، بھائی صاحب(۹) اور حضرت منشی صاحب(۱۰) کی خدمت میں تسلیم اورعزیزی محمد اسحاق (۱۱) کے لیے سلام ودعا۔

محمد شبلی عفی عنہ

[لاہور] (۱۲)

تعلیقات وحواشی

(۱) یہ علامہ شبلی کا سب سے قدیم اوردورطالب علمی کا خط ہے، جب وہ لاہور میں عربی کے نامور ادیب مولانا فیض الحسن سہارنپوری پروفیسر اورینٹل کالج لاہور سے اپنی علمی تشنگی بجھارہے تھے۔لاہور پہنچنے کے بعد ان کا یہ پہلا خط ہے،اس لئے کہ اس میں پہلے سفر کی روداد لکھی ہوئی ہے۔مولانا سید سلیمان ندوی نے اس خط سے اندازہ لگایا ہے کہ اس وقت تک اعظم گڑھ سے جونپور تک ریل بھی نہ تھی۔(مکاتیب شبلی حصہ اول ص ۲۰۲)

(۲) اعظم گڑھ سے جون پور کا فاصلہ ۶۴ رکلومیٹر ہے۔جون پور سے سہارن پور ۴۸ رکلومیٹر اور سہارن پور سے لاہور ۴۱۴ رکلومیٹر، گویا اعظم گڑھ سے لاہور تک کا کل فاصلہ تقریباً ۱۲۲۶ رکلومیٹر ہوتا ہے۔(ڈاکٹر خالد ندیم)

(۳) علامہ شبلی کے والد شیخ حبیب اللہ کی خواہش تھی کہ علامہ وکالت کا پیشہ اختیار کریں،اس لئے مزید تحصیل علم کے لئے وہ راضی نہ تھے۔چنانچہ علامہ نے یہ سفر ان کی مرضی کے خلاف اور

خاموشی سے کیا تھا۔البتہ ان کی والدہ اس سے واقف تھیں۔

(۴) ڈاکٹر خالد ندیم نے اس پر حاشیہ میں اچھا سوال قائم کیا ہے کہ''۱۲۸۹ھ کا دورانیہ ۱۱؍مارچ ۱۸۷۲ء سے ۲۹؍فروری ۱۸۷۳ء کو محیط ہے۔مکاتیب شبلی جلد دوم کی اشاعتوں ۱۹۱۷ء اور ۱۹۷۱ء میں یہی ہجری سال [۱۲۸۹ھ] درج ہے۔البتہ سید سلیمان نے حیات شبلی میں رام پور اور لاہور کے تعلیمی سفر کا دورانیہ ۱۲۹۱ھ و۱۲۹۲ھ تحریر کیا ہے۔''(ڈاکٹر خالد ندیم)

(۵) اورینٹل کالج لاہور۔(مولانا سید سلیمان ندوی)

(۶) مولانا فیض الحسن سہارن پوری [م:۱۸۸۷ء] علامہ شبلی کے استاذ ادب عربی، ہندوستان میں ادب عربی کے سب سے بڑے ماہر تھے۔اورینٹل کالج لاہور میں عربی کے پروفیسر رہے۔علامہ شبلی ان سے بہت متاثر ہوئے تھے اور اکثر ان کا ذکر کیا کرتے تھے۔ان کی وفات پر بڑا درد انگیز مرثیہ کہا جو ان کے فارسی کلیات میں شامل ہے۔

(۷) مولانا فاروق چریاکوٹی: علامہ شبلی کے استاذ مولانا محمد فاروق چریاکوٹی [م:۲۸؍اکتوبر ۱۹۰۹ء] نادرۂ عصر عالم و فاضل، ضلع اعظم گڑھ کے مردم خیز قصبہ چریاکوٹ کے رہنے والے تھے۔متعدد ارباب کمال نے ان سے کسب فیض کیا۔یہ علامہ عنایت رسول عباسی چریاکوٹی [م: جنوری ۱۹۰۳ء] جن سے سرسید نے عبرانی سیکھی تھی کے چھوٹے بھائی تھے۔مولانا فاروق چریاکوٹی علی گڑھ تحریک کو ناپسند کرتے تھے۔غالبًا اسی بنا پر مولانا الطاف حسین حالی [۱۸۳۷-۱۹۱۴ء] کے مسدس کے جواب میں مسدس عوالی لکھا۔درسیات میں علوئے کمال کی بنا پر علامہ شبلی انہیں علی گڑھ کالج سے وابستہ کرنے کے خواہش مند تھے، مگر ان کی یہ خواہش پوری نہ ہوسکی۔

(۸) قائمہ بی بی: علامہ شبلی کی والدہ موضع پھریہا کے ایک زمیندار اور کیل حاجی قربان علی قنبر انصاری کی صاحبزادی تھیں۔یہ بڑی نیک، دین دار، تہجد گزار اور خدا رسیدہ خاتون تھیں۔ان سے شیخ حبیب اللہ کے چار بیٹے محمد شبلی، محمد مہدی، محمد اسحاق اور محمد جنید پیدا ہوئے۔قائمہ بی بی کی زندگی ہی میں شیخ صاحب نے غیر کفو سے دوسری شادی کر لی تھی۔یہ دوسری بیوی باغ لکھراؤں کی رہنے

والی تھیں۔موضع باغ لکھراؤں جوشہر کے مغرب میں دریائے ٹونس کے قریب واقع ہے ،شیخ صاحب کی زمینداری میں تھا۔شیخ صاحب نے انہیں گھر کے بجائے چھاؤنی پر رکھا تھا۔یہ چھاؤنی شہراعظم گڑھ کے محلّہ پہاڑ پور میں واقع ایک عالی شان مکان تھا جو حال تک واقع تھا۔راقم نے بھی اسے دیکھا ہے۔مولانا شبلی نے اپنے قدیم احباب کے نام خطوط میں جہاں چھاؤنی کا لفظ استعمال کیا ہے،ان سے یہی دوسری والدہ مراد ہیں۔شیخ صاحب دوسری بیوی پراس قدر فریفتہ تھے کہ اپنی کل زمین جائیداد ان کے نام کردی تھی۔

شیخ صاحب کی دوسری شادی اور بے التفاتی کی وجہ سے قائمہ بی بی سخت کبیدہ خاطر اور ناراض رہا کرتی تھیں اور بالآخر اسی غم میں جنوری ۱۸۸۶ء میں وفات پائی۔اس واقعہ نے علامہ شبلی پر بہت اثر ڈالا۔جب بھی کسی کی والدہ کے انتقال کی خبر سنتے انہیں اپنی والدہ یاد آجاتیں اور وہ تڑپ جاتے۔ان کے کئی خطوط میں اس طرح کا ذکر ملتا ہے۔۱۸۹۸ء میں ان کی یاد میں صدر المنازل کے نام سے اپنے قائم کردہ نیشنل اسکول میں ایک عمارت تعمیر کی جو اب شبلی نیشنل پی. جی.کالج کا ایک خوبصورت ہال ہے۔

(۹) بھائی صاحب: تشخیص نہ ہوسکی کہ یہ کون بھائی صاحب تھے۔

(۱۰) منشی جی: تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔

(۱۱) مولوی محمد اسحاق وکیل علامہ شبلی کے منجھلے بھائی تھے۔موضع بندول ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم نیشنل اسکول اعظم گڑھ میں حاصل کی۔بعدازاں علی گڑھ گئے۔وہاں سے بی. اے اور ایل ایل بی کیا۔واپس آکر الٰہ آباد ہائی کورٹ میں وکالت کا آغاز کیا،جس میں بڑی شہرت و ناموری حاصل کی۔مگر جوانی میں ۵/اگست ۱۹۱۴ء کو یکا یک انتقال کیا۔

مولوی محمد اسحاق وکیل علامہ شبلی کے دست و بازو تھے۔علامہ شبلی انہیں بہت عزیز رکھتے تھے۔تمام گھریلو اور زمیندارانہ ذمہ داریاں انہیں کے سپرد تھیں۔یہ علامہ شبلی کے بڑے معین و مددگار تھے۔نیشنل اسکول کے ذمہ دار بھی یہی تھے۔اسے وہ بہت ترقی دینے کا عزم رکھتے تھے۔

یہی نہیں وہ اعظم گڑھ کے تمام بڑے قصبات میں نیشنل اسکول قائم کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔اس کے لئے انہوں نے ایک رقم [پانچ سو روپئے] بھی مختص کر لی تھی۔افسوس ان کی بے وقت موت سے ان کے ارمان ادھورے رہ گئے۔علامہ شبلی کو ان کی موت سے سخت صدمہ پہنچا اوران کا بڑا دلدوز مرثیہ لکھا جو اردو کلیات میں شامل ہے۔ان کے پوتے احمد اسحاق نعمانی کے بقول بڑے دادا یعنی علامہ شبلی نعمانی انہی کے صدمے میں چل بسے۔

علامہ شبلی سے ان کی مسلسل خط وکتابت رہی۔مکاتیب شبلی میں ان کے نام ۲۶ رخطوط شامل ہیں۔کھنڈا ضلع الہ آباد میں غالباً ان کی سسرال تھی۔اسحاق صاحب کی تین شادیاں ہوئیں۔پہلی بندول میں۔دوسری غالباً اسی کھنڈا میں اور تیسری غازی پور میں۔اول الذکر بیویوں نے کم مدت حیات پائی۔

(۱۲) ڈاکٹر خالد ندیم نے اس خط کے تحریر کا زمانہ متعین کرنے کی کوشش کی ہے اور لکھا ہے کہ

> ''یہ خط لاہور ہی سے لکھا گیا اور چونکہ حیات شبلی میں سید سلیمان ندوی کے اس جملے.......... مولانا فیض الحسن صاحب کے قلیل المدت درس کا نقش علامہ مرحوم پر کس قدر گہرا پڑا تھا.........، سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مدت چند مہینوں پر محیط ہے۔چنانچہ اگر اس درس کو ۱۲۸۹ھ کے اواخر (جنوری فروری۱۸۷۳ء) سے بھی شروع کیا جائے تو قلیل المدت درس کا اختتام مارچ اپریل یا زیادہ سے زیادہ مئی جون۱۸۷۴ء میں گیا ہوگا۔لہٰذا اس خط کی تحریر کا یہی زمانہ ہوسکتا ہے۔'' (اردو ترجمہ مکاتیب شبلی ص۱۴)

مکتوب الیہ:۲

شیخ عجیب اللہ

علامہ شبلی نعمانی کے والد شیخ حبیب اللہ وکیل چار بھائی تھے۔ اور وہ بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ دوسرے نمبر پر شیخ مجیب اللہ اور تیسرے پر شیخ عجیب اللہ تھے۔ روایتی عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی تھی۔ ان کے نام اس فارسی خط سے بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ فارسی سے واقف تھے۔ ایک روایت یہ ہے کہ علامہ شبلی کے دادا شیخ حسن محرر تھے۔ اور تعلیم کی اہمیت سے بخوبی تھے۔ انہوں نے اپنے تمام بچوں کو تعلیم دلائی تھی۔

مکتوب نمبر:۳

جناب عم مکرم عم فیضہ، تسلیم و نیاز

روز دوشنبہ کہ از جنوری چہار دہم بود علی گڑھ رسیدم، و از زحمت سفر آرمیدم، چوں دریں مدت از عزیزان ہیچ کس بامن نہ بود کہ باو سخن پیوستے و دردے گفتمی، غریب وحشتی روئے داد، و گونا گوں اندیشہا بدامن خاطر در آویخت، ہمہ آں سخنہا کہ عزیزان در وطن بمن میراندند بیاد آمد، و دیدۂ دل را بخوننا بہ فشانی خواند، در دیدہ می گردد کہ انجمنے از یاران ساز

پذیرفتہ است، و ہر یکے از ہر دری سخن پیوستہ، تاسخن بدینجا رسانند کہ بدیں مایہ برخورداری کہ درعلی گڑھ داری چونست کہ تن بہ رضا نہ دادہ دست از طلب باز داشت سر بفرمان حاسدان نہادہ، من گاہے خموشم و وقتے در دفع ایں مطاعن می کوشم کہ یاران انصاف بالائے طاعت است چوز مام اختیار نہ بدست من باشد، دیگر برمن خردہ نتواں گرفت من ہم دانم کہ ایں کار دون درخور من نباشد و اگر پایہ از ارزش فراتر آمدہ باشم می توانم گفت کہ آخر لختے بسامان و قدرے ازیں فراوان ترمی بایست مگر چہ کنم کہ والد قبلہ راجز بوکالت روئے وراہے نیست و بایں آزادہ دلی اگر بوکالت نساختہ باشم، درنظر انصاف مرادریں میانہ گناہے نخواہد بود، درظل والد قبلہ ہستیم ہمچنیں خواہد بود، آہ ازاں ہنگام کہ دولت روئے گرداند وکار بدست من افتد و درآں آشوب، ولے بر جائے ندارم وخواست و ناخواست روے بوکالت آرمو خویش را اندازہ نہ نہم، مردمان را بہرزہ ولاف فریب دہم، وایں خواری بخویش در پذیرم، وہم بدیں ذلت وخستگی جسد وشکم باز یگرم، ہم درایں اندیشہ می گداختم کہ میاں محمد ابراہیم از در درآمدند دل بایشاں پیوند گرفت، اکنوں لختے از کشا کش غم درامان ہستم۔

از حالات عزیزان وکیفیت مدرسہ بندول واعظم گڑھ بہ تفصیل مطلع خواہد فرمود،

ایں عریضہ رابعزیزی محمد سمیع یا عبدالحمید خواہند سپرد وضائع نخواہند فرمود۔

شبلی نعمانی

۱۶ رجنوری ۱۸۸۴ء

ترجمہ:

محترم ومکرم چچا جان، تسلیم و نیاز

مَیں بروز دوشنبہ ۱۴ رجنوری کو علی گڑھ پہنچ گیا، لیکن سفر کی تھکان کے باعث آرام کرتا رہا۔ اس مرتبہ عزیزوں میں سے کوئی ساتھ نہ تھا، لہٰذا بات کس سے کرتا۔ دل کی بھڑاس کیسے نکالتا؟ ایک عجیب بے کلی سی طاری رہی اور دِل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہوتے

رہے۔ وہ تمام باتیں جو اعزہ وطن میں کہتے تھے، یاد آتی اور خون رُلاتی رہیں۔ آنکھوں میں وہ منظر گھومتا رہا کہ دوستوں کی محفل جمی ہوئی ہے اور ہر کوئی اپنی اپنی سنا رہا ہے کہ اچانک کوئی پوچھتا ہے کہ جو کچھ تمھیں علی گڑھ میں حاصل ہے، کیا اس پر خوش ہو؟ کہیں اسے قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول تو نہیں کر لیا اور حاسدوں کے خوف سے راضی برضا تو نہیں ہو گیا۔ مَیں کبھی تو خاموش رہتا ہوں اور کبھی ان الزامات کا جواب دینے کی کوشش کرتا ہوں کہ یارو! انصاف سے کام لو؛ میرے اختیار میں کچھ نہیں، میری غلطیوں پر گرفت نہ کرو۔ مجھے بھی معلوم ہے کہ یہ کم مایہ خدمت میرے لائق نہیں اور اگر اپنے موجودہ منصب کے حوالے سے کچھ کہوں تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ مجھے اس سے بہتر چاہیے؛ مگر کیا کِیا جائے کہ والد صاحب قبلہ وکالت کے سوا کسی چیز پر راضی نہیں اور اگر مجھ آزادہ رَو کو وکالت پسند نہیں تو انصاف کرو، اس میں کون سا گناہ ہے؟ مَیں جب تک والد صاحب قبلہ کے زیرِ سایہ رہوں گا، اسی وضع پر رہوں گا۔ افسوس اُس وقت پر، جب تقدیر بگڑ جائے اور اختیار چھن جائے۔ اِس دَورِ آشوب میں دِل کو [کسی پل] قرار نہیں۔ اگر مَیں خواہی نخواہی وکالت اپنا بھی لوں اور اپنا کچھ خیال نہ کروں (۱) اور اس ذلت و پریشانی سے جسم و شکم کی پرورِش کروں۔۔۔ اسی فکر میں غلطاں و پیچاں تھا کہ میاں ابراہیم (۲) اندر داخل ہوئے۔ یوں بے کلی کسی قدر کم ہوئی اور کشاکشِ غم سے کچھ نجات ملی۔ وہ مجھے عزیزوں کے حالات اور بِندوَل و اعظم گڑھ کے مدرسوں (۳) کی کیفیت سے بالتفصیل مطلع کریں گے۔

یہ عریضہ عزیزی محمد سمیع (۴) یا عبدالحمید (۵) کے سپرد کر دیجیے اور اسے ضائع نہ کیجیے۔

شبلی نعمانی

۱۶ر جنوری ۱۸۸۴ء

تعلیقات وحواشی

(۱) اللہ رے انقلابات زمانہ۔(مولانا سید سلیمان ندوی)

(۲) میاں محمد ابراہیم: بندول کے شجرہ میں علامہ شبلی کے معاصرین میں محمد ابراہیم ایک شخص کا نام ملتا ہے، مگر قطعی طور نہیں کہا جاسکتا کہ یہ وہی محمد ابراہیم ہیں۔

(۳) مسلمانان اعظم گڑھ کی ترقی کے لئے علامہ شبلی نے ابتدائی دور میں دو تعلیمی ادارے قائم کئے تھے۔ایک شہر اعظم گڑھ میں نیشنل اسکول اور دوسرا اپنے گاؤں بندول میں ایک دینی مدرسہ۔ بندول کا مدرسہ ابھی حال تک قائم تھا اور مولانا عبدالسلام ندوی کے بھتیجے مولانا عبدالحسیب اصلاحی مرحوم علاء الدین پٹی سے بندول آکر درس دیا کرتے تھے، مگر اب یہ مدرسہ بند ہوگیا ہے۔البتہ نیشنل اسکول نے ماشاء اللہ بڑی ترقی کی اور اب اس کا شمار ہندوستانی مسلمانوں کے ممتاز تعلیمی اداروں میں ہوتا ہے۔البتہ میرے بعض احباب کا خیال ہے کہ اسے ابتک یونیورسٹی ہوجانا چاہئے تھا، مگر انتظامیہ کی مسلسل آپسی رنجشوں اور مسلسل مقدمہ بازی کے سبب اسے وہ ترقی نہیں مل سکی جس کا یہ مستحق تھا۔

(۴) مولوی محمد سمیع ابتدائی دور کے احباب میں ہیں۔آئندہ صفحات میں ان کا ذکر آرہا ہے۔

(۵) مولانا حمیدالدین فراہی: یہ علامہ شبلی نعمانی کے ماموں زاد بھائی تھے۔ان کا تذکرہ آئندہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں۔

مکتوب الیہ(۳)

حافظ مہدی حسن بیرسٹرایٹ لا

محمد مہدی حسن [م:۲۹/جون ۱۸۹۷ء] بی اے آکسن، بیرسٹرایٹ لا۔علامہ شبلی نعمانی کے منجھلے بھائی تھے۔بندول میں پیدا ہوئے۔اولاً قرآن مجید حفظ کیا۔پھرعربی فارسی کی تعلیم حاصل کی۔اس کے بعد انگریزی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔اسی دوران ۱۸۷۹ء میں الہ آباد سے وکالت کا امتحان پاس کیا۔بعدازاں اعلیٰ تعلیم کے لئے علی گڑھ کالج میں داخل کئے گئے۔۱۸۸۴ء میں علی گڑھ سے ایف اے پاس کیا۔اکتوبر ۱۸۸۵ء میں بیرسٹری کے لئے لندن گئے۔تین سال بعد ۸/اکتوبر ۱۸۸۸ء کو بی،اے آکسن اور بارایٹ لا ہوکر واپس آئے۔

مہدی حسن کی لندن کے زمانہ قیام میں صحت خراب ہوگئی تھی۔اس کی وجہ سے انہوں نے اپنے مرتبہ سے نیچے درجہ کی منصفی قبول کرلی۔لیکن وہ بھی انہیں راس نہ آئی اور تمام تر علاج ومعالجہ کے باوجود وہ صحت یاب نہ ہوسکے اور ۲۹/جون ۱۸۹۷ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔

وہ بڑے ذہین اور باصلاحیت تھے۔عربی وفارسی سے بخوبی واقف تھے۔اردوزبان پرغیرمعمولی عبور حاصل تھا اور بڑی شگفتہ نثر لکھتے تھے۔انہوں نے مضامین بھی لکھے،لیکن

ابتک ان کا کوئی مضمون نظر سے نہیں گذرا۔البتہ انہوں نے اپنے والد شیخ حبیب اللہ، چچا شیخ مجیب اللہ اور بڑے بھائی علامہ شبلی نعمانی کو لندن سے جو خطوط لکھے ہیں وہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ڈاکٹر ابن فرید [۱۹۲۵-۲۰۰۷ء] اور ڈاکٹر سید عبدالباری شبنم سبحانی [۱۹۳۷-۲۰۱۳ء] نے ان خطوط پر تنقیدی مضامین ماہ نامہ آج کل دہلی اور ماہ نامہ ادیب علی گڑھ میں لکھے ہیں اور اسے اردو ادب کا قابل قدر سرمایہ قرار دیا ہے۔راقم نے ان خطوط کو اپنی کتاب ''علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط'' میں بطور ضمیمہ شائع کر دیا ہے۔

علامہ شبلی نے اپنے مکاتیب میں ان کا کثرت سے ذکر کیا ہے۔مرثیہ محمد اسحاق وکیل میں ان کا بھی ذکر آیا ہے۔اور شیخ حبیب اللہ کے مرثیہ میں یہ شعر بھی موجود ہے:

مہدی اگر گذشت سہ تن باز ماندہ ایم
با ما بباش و ہمرہی رفتگاں مکن

مہدی حسن مرحوم لندن سے بی اے آکسن اور بیرسٹرایٹ لاہوکر واپس آئے۔ اس خوشی میں شیخ حبیب اللہ نے ایک جشن کا انعقاد کیا۔جس میں تمام اعزہ واحباب اور عمائدین اور روسائے شہر اعظم گڑھ کو مدعو کیا۔اس جشن کی ایک خاص بات یہ تھی کہ ایک ہفتہ تک مسلسل دعوت کا اہتمام رہا۔علامہ شبلی نے اس جشن میں ایک نظم پیش کی تھی، جو محفوظ نہ رہ سکی۔البتہ اس کے دو شعر علامہ شبلی نعمانی کے ایک اور شاگرد اور نہایت اہم شاعر وادیب علامہ اقبال احمد خاں سہیل [۱۸۸۴-۱۹۵۵ء] کے حافظہ میں محفوظ رہ گئے تھے۔مولانا سید سلیمان ندوی نے ان کے حوالہ سے ''حیات شبلی'' میں نقل کیا ہے۔فرماتے ہیں۔

خار ور دیدۂ عدو شکنی
حاسداں را جگر گداز آئی
مابہ نا دیدہ در رہت باشیم
کہ تو نا گہ زدر فراز آئی

عطیہ فیضی جب یورپ سے واپس آئیں تو ان کے خیر مقدم میں علامہ شبلی نے جو استقبالیہ نظم بھیجی تھی اس میں اور مہدی حسن والی نظم میں بہت معمولی سا فرق ہے۔ شاید مہدی حسن کی استقبالیہ نظم میں معمولی ردو بدل کر کے عطیہ فیضی کو بھیج دی تھی۔
(کلیات شبلی فارسی ص:۴۲،۴۳۔آ ثار شبلی ص:۴۵۰)

مکتوب نمبر:۴

باز گلبانگ پریشان می زنم
آتشے در عندلیباں می زنم
حجلہ گل بہر من کردند و من
سر بدیوار گلستان می زنم

المہدی باللہ

حیاک اللہ، دی با کالون صاحب برخوردم، از نام ونسب پرسید، ہمہ باز گفتم، بہ تعظیم تمام پیش آمد ومعذرت خواست کہ امسال صحف اردو نگریستن نہ خواہم، دل زدہ بخانہ رسیدم واز دیوان غیب تفاول خواستم، ایں شعر برآمد

آنچہ سعیت من اندر طلبت بنمودم
ایں قدر ہست کہ تغییر قضا نتواں کرد

ناامیدی راخیر مقدم گفتم ودر پس زانوے حرماں نشستم، ہمانا در دل خواہی گفت کہ باین ہمہ آزادی بہ بیتے دل بستن، وکاسہ آرزو بر سر یاس شکستن یعنی چہ تواں کرد کہ سر بسنگ آمد، ... دل از تراکم افکار تنگ آمد، دوسہ سالے است کہ پائے طلب در دامن کشیدم وبہ چیزے نرسیدم، عزیزان گویند کہ بغیر از تعلیم انگریزی نخواہی بسر برد، ایں خود چہ حرفست جمعے را بین کہ ہیچ از انگریزی نخواندہ اند وباز بمناصب جلیلہ میر سند آخر در تحصیلداری وغیرہ او خود

مشروط نیست، فی الجملہ ستیزہ چرخ وآویزش بخت برآنم آورد کہ لختے ازعمر بہ بادیہ پیمائی و ہرزہ درائی گزارم، اینک عزم سفر کردہ ام می بینم تا چرخ را دریں پردہ چہ نیرنگ ہست۔

والسلام

ش،نعمانی

ترجمہ:

باز گلبانگ پریشان می زنم
آتشے در عندلیباں می زنم
حجلۂ گل بہر من کردند و من
سر بدیوارِ گلستاں می زنم

المہدی باللہ

حیاک اللہ۔کل کالون صاحب(۱) سے اچانک ملاقات ہوگئی، وہ میرے اور میرے خاندان سے متعلق پوچھتے رہےاورمَیں ایک ایک کر کے بتا تا رہا۔وہ بڑی تعظیم سے پیش آئے۔البتہ معذرت کی کہ''اس سال تو مَیں اردو کے پرچے نہیں دیکھ رہا''۔غم زدہ واپس آیااور دیوانِ غیب(۲) سے فال نکالی تو یہ شعر نکلا:

آنچہ سعی ست من اندر طلبت بنمودم
این قدر ہست کہ تغییر قضا نتوان کرد

ناامیدی کا خیر مقدم کیااور گھٹنوں پر سر رکھ کے بیٹھ گیا۔دل میں سوچا کہ اتنی آزادی کے باوجود ایک شعر سے اثر قبول کرنااور آرزو کا کاسہ مایوسی کے سر پر دے مارنا کیسا؟لیکن جب سر پر پتھر آن ہی پڑےاور دل مایوسیوں سے بھر جائے تو کیا کِیا جا سکتا ہے؟ دو تین سال سے مَیں نے دوسروں سے توقع رکھنا ہی چھوڑ دی ہےاور کسی سے کچھ ملا بھی نہیں۔

میرے اعزہ کہتے ہیں کہ انگریزی تعلیم کے بغیر گزارا نہیں۔ یہ بھی کوئی بات ہے!

کتنے ہی لوگ ہیں جو انگریزی کا ایک حرف نہیں جانتے، لیکن بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔ آخر تحصیل داری وغیرہ کے لیے بھی تو انگریزی کی شرط نہیں۔ فی الجملہ گردشِ فلک اور نارسائیِ بخت نے اس بات پر مجبور کر دیا کہ عمر کا کچھ حصہ بادیہ پیمائی اور ہرزہ درائی میں گزاروں۔ اب عزمِ سفر ہے، دیکھنا یہ ہے کہ پردۂ چرخ میں کون کون سی بجلیاں پوشیدہ ہیں۔

والسلام

ش نعمانی (۳)

مکتوب نمبر: ۵

عزیزِ من مسٹر مہدی حسن، انبتک اللہ نباتاً حسناً۔

تا حال بر دولت کدۂ ڈپٹی محمد کریم اقامت داشتم، وی مکانے بہ کرایہ گرفتہ ام، مگر چنانکہ می بایست نیست، ازیں رواز فکراو دنیا دمیدہ ام و دست طلب در آستین نکشیدہ۔

از یکم فروری بہ کالج ہمی روم، ایف، اے و بی، اے فارسی و انٹرس و سکنڈ عربی بمن تعلق دارد سید صاحب ہر چند از کلکتہ در ینجا رسیدہ اند مگر چوں از زحمت سفر گونہ ناسازی مزاج دارند، ہنوز بایشاں برنخوردہ ام، عزیزی محمد اسحٰق را در صف اولیں جائے دادہ اند، محیط الدائرہ فرستادن دارد۔ والسلام

شبلی نعمانی

علی گڑھ ۲ر فروری ۱۸۸۲ء

ترجمہ:

عزیزِ من مسٹر مہدی حسن، انبتک اللّٰہ نباتا حسناً۔

اب تک تو مَیں ڈپٹی محمد کریم (۴) کے دولت کدہ پر اقامت پذیر رہا، [البتہ] کل

ہی ایک مکان کرائے پر لیا ہے، مگر چونکہ دل خواہ نہیں ہے، اس لیے فکر سے آزاد نہیں ہوا اور مزید تلاش جاری ہے۔

یکم فروری (۵) سے کالج جارہا ہوں۔ ایف اے و بی اے کو فارسی اور انٹرس و سیکنڈ [کے طلبہ] کو عربی پڑھاؤں گا۔ سید صاحب ہر چند کلکتہ سے یہاں پہنچ گئے ہیں، لیکن چونکہ سفر کی تھکن کے باعث ان کی طبیعت ناساز ہے، اس لیے ابھی تک ان کے نیاز حاصل نہیں ہوئے۔ [وہ] عزیزی محمد اسحاق کو پہلی صف میں جگہ دیتے ہیں۔ محیط الدائرہ (۶) بھیجنے کی ضرورت ہے۔ والسلام

شبلی نعمانی

علی گڑھ۔ ۲ر فروری ۱۸۸۲ء (۷)

مکتوب نمبر: ۶

عزیزی مہدی!

السلام علیکم وعلی من لدیکم، والدہ ماجدہ راز من پس از ہزار ہزار شوق قدم بوسی آداب رسانید و عرض دارید کہ شبلی بخیریت تمام است، جز غم دوری حضور دیگر ہیچ غمش نیست دل خود جمع فرمایند کہ ازیں دور یہا ناگزیر ہست و بہ ہمشیرہ معظّمہ و عمویہ مکرمہ وجدہ مجدہ صاحبہ و دیگر بزرگان آداب۔ وتسلیم

اکنوں گوش دارید

جواب استفسار ہائے کہ اول کردہ بودم، ہمہ را بتفصیل بنویسید و اگر کسے بجونپور رود ظرف مسی کہ در راہ حج می داشتم و اکنوں غالباً بر مکان خواہد بود باو بسپر ندو گویند کہ در مدرسہ مولوی ہدایت اللہ خان صاحب بہ طالب العلم حافظ تجمل حسین صاحب بدہد و گوید ایں را شبلی

از مولوی بشارت کریم استعار طلب کردہ بود، اکنوں حوالہ جناب است کہ بذریعہ آنجناب بمولوی بشارت صاحب خواہد رسد و ایں مضمون مفصل را در خط تحریر خواہند کرد و باو خواہند کرد و از و نامہ بزودی فرستند و از کیفیت عزیزی اسحٰق ہم مطلع کنند۔ والسلام
شبلی

ترجمہ:

عزیزی مہدی، السلام علیکم وعلیٰ من لدیکم

میری طرف سے ہزار بار قدم بوسی کے بعد والدہ ماجدہ کی خدمت میں آداب کہنا اور عرض کرنا کہ شبلی بالکل خیریت سے ہے؛ سوائے آپ سے دُوری کے اسے کوئی غم نہیں۔ وہ خاطر جمع رکھیں، یہ دُوری ناگزیر تھی۔ ہمشیرہ معظّمہ، چچی جان، دادی جان اور دیگر بزرگوں کو آداب و تسلیم۔ اب توجہ سے سنو!

میرے استفسارات کا تفصیل کے ساتھ جواب لکھو اور اگر کوئی جونپور جانے والا ہو تو تانبے کا وہ برتن جو دَورانِ حج میرے استعمال میں رہا اور غالبًا اب بھی وہ گھر میں کہیں پڑا ہو گا، مولوی ہدایت اللہ خاں صاحب (۸) کے مدرسے (۹) کے طالب علم حافظ تجمل حسین صاحب (۱۰) کو دے دینا اور بتا دینا کہ یہ برتن شبلی نے مولوی بشارت کریم (۱۱) سے مستعار لیا تھا اور اَب آپ کے سپرد ہے کہ مولوی بشارت صاحب تک پہنچا دیں۔ یہ ساری تفصیل تحریر کر کے ساتھ کر دینا اور بذریعہ خط مجھے بھی آگاہ کر دینا اور عزیزی اسحاق کے بارے میں مطلع کرنا۔ والسلام

شبلی (۱۲)

تعلیقات و حواشی

(۱) مسٹر کالون انگریز افسر، علامہ کے والد شیخ حبیب اللہ کے دوست اور ممتحن امتحانات تھے۔

(۲) یعنی دیوان حافظ شیرازی۔

(۳) علامہ شبلی نے وکالت کا امتحان پہلی بار ۱۸۷۹ء میں دیا تھا، اس لئے قیاس ہے کہ یہ مکتوب اسی سال کا تحریر کردہ ہے۔ بالآخر اس میں وہ ناکام ہو گئے۔ ایک سال بعد دوبارہ دیا اور کامیاب ہوئے۔

(۴) خان بہادر ڈپٹی محمد کریم [۱۸۳۵-۱۸۹۲ء] اعظم گڑھ کے شرفاء کے قصبہ محمد آباد کے باشندے، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور علی گڑھ میں ڈپٹی کلکٹر کے عہدہ پر فائز تھے۔ سر سید احمد خاں کے خاص احباب میں تھے۔ ایم اے او کالج علی گڑھ کی بناوتاسیس میں پیش پیش رہے۔ کالج کے تاسیسی اجلاس کے بھی یہی صدر منتخب ہوئے تھے۔ علی گڑھ میں علامہ شبلی اولاً انہیں کے مکان پر مقیم رہے۔ بعد میں اپنا گھر کرائے پر لیا۔ اس کے بعد سر سید نے اپنے گھر کے پاس چھوٹا سا بنگلہ عنایت کیا جو شبلی کی بنگلیہ کے نام سے ایک زمانہ تک زبان زد خاص وعام رہا۔

(۵) ایم اے او کالج علی گڑھ میں درس کا پہلا دن۔

(۶) محیط الدائرہ: علم عروض کی مشہور کتاب جو کرنیلیوس قان دیک الامیری کی تصنیف ہے۔

(۷) خط کی یہ تاریخ اس لئے درست نہیں ہے کہ علامہ شبلی کا تقرر یکم فروری ۱۸۸۳ء کو ہوا تھا۔ صحیح تاریخ تحریر ۲؍فروری ۱۸۸۳ء ہے۔

(۸) مولوی ہدایت اللہ خاں صاحب رام پوری استاذ مدرسہ حنفیہ امام بخش جون پور سلسلہ خیر آباد کے نامور مدرس اور ممتاز عالم تھے۔ علامہ شبلی نعمانی نے ان سے جون پور میں چند روز پڑھا تھا۔

(۹) مدرسہ حنفیہ امام بخش جون پور

(۱۰) حافظ تجمل حسین مدرسہ امام بخش جون پور کے اس زمانہ میں طالب علم تھے۔ مزید تفصیلات معلوم نہ ہو سکیں۔

(۱۱) مولوی بشارت کریم: جون پور کے رہنے والے تھے۔ مزید تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔

(۱۲) ڈاکٹر خالد ندیم صاحب نے اس خط کی تاریخ تحریر متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں

نے لکھا ہے کہ

''علامہ شبلی نے ۱۸۷۶ء میں حج بیت اللہ کے لئے سفر کیا۔اس برس ۱۸/ نومبر ذی الحجہ ۱۲۹۳ھ کی پہلی تاریخ تھی۔خیال ہے کہ یہ قافلہ ۱۸۷۷ء کے ابتدائی مہینوں میں وطن واپس آیا ہوگا۔۱۷/ مارچ ۱۸۸۱ء کو مولوی محمد سمیع کے نام لکھے گئے فارسی خط (شمار۱۳) سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں علامہ بستی میں وکالت کر رہے تھے۔یہ خط غالباً اسی دور کا ہے۔''

(اردو ترجمہ مکاتیب شبلی ص ۲۰)

مکتوب الیہ:۴

مولوی حکیم محمد عمر

مولوی حکیم محمد عمر موضع بندول کے رہنے والے تھے۔مولانا سید سلیمان ندوی نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ

''مولانا (شبلی) کے ہم تعلیم وہم صحبت اور عہد شباب کے دوست، اعظم گڑھ میں محافظ دفتر ہیں اور نیز مطب کرتے ہیں۔ مدرسہ دیوبند میں تعلیم پائی ہے۔(مکاتیب شبلی حصہ اول ص۵۴)

اس سے زیادہ معلومات ان کے بارہ میں دستیاب نہیں۔

مکتوب نمبر:۷

یار گرامی مدظلہ السامی

تسلیم، نامہ رسید، دل را رہین دیدہ گردانید، دریں فرصت بادب کار دارم، خود چیزے از ادب می خوانم ودیوان حماسہ بدیگرے می آموزم، درنامہ پیشیں ازعزم سفر نوشتہ بودم، تعین مقام اکنوں نتواں کرد، لکھنو رفتن آنصاحب رائے صائب است از پیش رفتن می

بایست، اکنوں ہم چیزے نہ رفتہ است، چندہ ایں شہر تابدو ہزار وششصد رسید، امید قوی است کہ از سہ ہزار بیشتر گردآید۔

مولوی فقیر اللہ صاحب ندانم از چہ رو با من خاطر گراں دارند از دو ماہ بنامہ نہ نواختہ اند

سپاس ایزد کہ روسیان بتہ کار در روز پیکار کہ باعثمان پاشا کردہ بودند ہشت از ہزار طعمہ جحیم شدند و بست و چہار ہزار زخمہائے گراں برتن برداشتہ بر بستر خاک طپیدند، نسیم فتح وظفر بر پرچم علم سلطانی وزیدد و برادر شاہ روس گرینڈ ڈیوک نکلسن از بیم ضربت دلیران ترک از میان رمید۔

مولوی محمد سلیم سمروی در آغوش عروس گرم کنار و بوس ہستند، مولوی منیر از تصادم مقدمات سراسیمہ گشتند، با مولوی نور محمد از من سلام شوق باید گفت، چندروز یست کہ درایں جا طرح مشاعرہ نہادہ بودند، غزلے کہ گفتہ آمد، اینست :

ناتواں عشق نے آخر کیا ایسا ہم کو
غم اٹھانے کا بھی باقی نہیں یارا ہم کو

درد فرقت سے ترے ضعف ہے ایسا ہم کو
خواب میں بھی ترے دشوار ہے آنا ہم کو

جوش وحشت میں ہو کیا ہم کو بھلا فکر لباس
بس کفایت ہے جنوں دامن صحرا ہم کو

رہبری کی دہن یار کے جانب خط نے
خضر نے چشمہ حیواں یہ دکھایا ہم کو

دل گر اس کی زنخداں میں فریب خط سے
چاہ خس پوش تھا اے وائے نہ سوجھا ہم کو

واہ کاہیدگی جسم بھی کیا کام آئی
بزم میں تجھ پہ رقیبوں نے نہ دیکھا ہم کو

قالب جسم میں جان آگئی گویا شبلی
معجزہ فکر نے اپنی یہ دکھایا ہم کو

غزلے دیگر ہم گفتہ آمد، مگر ایں نامہ مختصر جائے آں ندارد، یک شعر از وایں است، ایں نمط گفتہ آمد

یوں چشم تر میں قامت جاناں ہے جلوہ گر
جس طرح سے کہ سرو لب آب جو رہے
شبلی

ترجمہ:

یارِ گرامی مدظلہ السامی

تسلیم۔ آپ کا خط ملا، دِل آنکھوں کا رہینِ منت ہوا۔ اس وقت جو فرصت میسر ہے، اس میں خود ادب کا مطالعہ کرتا ہوں اور کسی کو دیوانِ حماسہ (ا) پڑھاتا ہوں۔

پچھلے خط میں مَیں نے عزمِ سفر ظاہر کیا تھا، البتہ منزل کا تعین ابھی تک نہیں کر سکا۔ ان صاحب کے لکھنؤ جانے کی رائے صائب ہے۔ پہلے ہی چلے جانا چاہیے تھا، [بہر حال] اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ اس شہر [اعظم گڑھ] میں چندے کی مد میں دو ہزار چھ سو روپے جمع ہو

گئے ہیں۔قوی امید ہے کہ یہ تین ہزار سے تجاوز کر جائیں گے۔(۲)

نہ جانے مولوی فقیراللہ(۳) کی ناراضی کی وجہ کیا ہے؟انھوں نے دو ماہ سے مجھے خط تک نہیں لکھا۔

اللہ کا شکر ہے کہ نامراد روسی فوجیں جو عثمان پاشا(۴) کے ساتھ برسر پیکار تھیں ان میں سے آٹھ ہزار روسی واصلِ جہنم ہوئے اور چوبیس ہزار شدید مجروح۔فتح وظفر کی ہواؤں سے سلطانی پرچم جھوم رہا ہے اور شاہِ روس کا بھائی گرینڈ ڈیوک نکلسن (۵) ترک جانبازوں کے حملے کے ڈر سے میدان چھوڑ بھاگا ہے۔

مولوی محمد سلیم سمردی(۶) ہنی مون منا رہے ہوں گے، جب کہ مولوی منیر(۷) مقدمات کی ادھیڑ بُن میں گھلے جا رہے ہوں گے۔مولوی نور محمد(۸) کو میرا سلامِ شوق پہنچا دینا۔

چند روز ہوئے یہاں ایک مشاعرہ منعقد کیا گیا تھا۔میں نے بھی ایک غزل پڑھی تھی۔

ناتواں عشق نے آخر کیا ایسا ہم کو
غم اُٹھانے کا بھی باقی نہیں یارا ہم کو

دردِ فرقت سے ترے ضعف ہے ایسا ہم کو
خواب میں بھی ترے دُشوار ہے آنا ہم کو

جوشِ وحشت میں ہو کیا ہم کو بھلا فکرِ لباس
بس کفایت ہے جنون دامنِ صحرا ہم کو

رہبری کی دہنِ یار کے جانب خط نے
خضر نے چشمہ حیوان یہ دِکھایا ہم کو

دل گرا اُس کی زنخدان میں فریبِ خط سے
چاہ خس پوش تھا اے وائے نہ سوجھا ہم کو

واہ کاہیدگیِ جسم بھی کیا کام آئی
بزم میں تھے پہ رقیبوں نے نہ دیکھا ہم کو
قالبِ جسم میں جان آ گئی گویا شبلی
معجزہ فکر نے اپنی یہ دِکھایا ہم کو(۹)

ایک اَور غزل بھی ہوئی ہے، مگر اس مختصر خط میں اتنی گنجائش نہیں۔ اس غزل کا صرف ایک شعر پیش کرتا ہوں:

یوں چشم تر میں قامتِ جاناں ہے جلوہ گر
جس طرح سے کہ سرولبِ آب جو رہے

شبلی(۱۰)

مکتوب نمبر:۸

رفیق من! تسلیم مگر از من دامن التفات بر چیدہ اند کہ از پاسخ نامہ روئے درہم کشیدہ اند، قسم براستی کہ نامہا فرستادہ ام، اگر نہ رسیدہ باشد مراد رمیان خطائے نیست، از تطاول دہر بہ حفظ قانون مشغول ہستم، سلیم سروی ہم دریں کار اند، دریں جابا جمیل طالب العلم برخورم، مولوی ہدایت علی صاحب را ستائشگری می کردند، غنیمت دانستم کہ آں رفیق بجائے نیکو کسب فن می کند، اگر چہ بر گفتہ ایں سادہ دلان اعتمادے ندارم کہ چشمے نکشادہ اند، لکھنو آمدن خواستہ بودند، باز از چہ باز ماندند، آرے مولوی عبدالحی صاحب دلے دانا و چشمے بینا عطا کردہ اند، مولوی فقیر اللہ صاحب ہم چنیں از من برنجند، یارب دوستان راچہ شد کہ یکرہ ہم از خستگان پرسند، مگر شبلی رابخت بد یار است کہ دوستے ہمچو مولوی محمد عمر صاحب از و بیزار است، تاہم ایں دعا برزبان دارم پیوستہ بعافیت بمانی گو شبلی تو نبودہ باشد۔

گستاخی معاف، از ہیچو من دوستے کہ بصد سال میسر نمی تواں آمد، گسستن چہ مقتضائے خرد است بدیگران از من سلام خوانند کہ گاہے بایشاں دلے خوش کردہ بودم۔

محمد شبلی بندولی

ترجمہ:

رفیقِ من!

تسلیم۔ کیا آپ نے مجھے محرومِ التفات کر دیا کہ خط کا جواب دینا ہی چھوڑ دیا۔ بخدا، مَیں نے کئی خط بھیجے؛ اگر وہ نہیں پہنچے تو اس میں میری خطا نہیں۔

میری بدنصیبی کہ مجھے قانون پڑھنا پڑ رہا ہے، سلیم سروی بھی میرے ساتھ ہیں۔

یہاں ایک طالب علم جمیل سے ملاقات ہوئی جو مولوی ہدایت اللہ کی تعریف کر رہا تھا۔ مجھے خوشی ہوئی کہ یہ دوست کسی بہتر جگہ سے کسب فن کر رہا ہے۔

مَیں اِن بھولے بادشاہوں کی باتوں پر اعتماد نہیں کرتا کیونکہ انھیں کوئی تجربہ نہیں ہے۔ یہ تو لکھنؤ آنا چاہتے تھے؛ نجانے کیوں نہیں آئے۔؟ ہاں، البتہ مولوی عبدالحی (۱۱) کو دلِ دانا اور چشم بینا ارزانی ہوئے ہیں۔ مولوی فقیر اللہ صاحب بھی مجھ سے رنجیدہ ہیں۔ یا الٰہی! دوستوں کو کیا ہو گیا ہے کہ انھیں سب خستہ حالوں سے ہمدردی ہے، مگر شبلی کتنا بدنصیب ہے کہ مولوی محمد عمر صاحب (۱۲) جیسا دوست بھی اس سے بیزار ہے؛ تاہم میری زبان پر یہی دعا ہے کہ آپ کا شبلی رہے نہ رہے، آپ سب عافیت سے رہیں۔

گستاخی معاف! مجھ جیسے دوست صدیوں میں میسر نہیں آتے، چنانچہ مجھ سے ترکِ تعلق کہاں کی دانائی ہے!

دیگر دوستوں کو بھی سلام کہہ دیجیے گا کہ ان کے ساتھ بھی اچھے دِن گزرے ہیں۔

محمد شبلی بندولی (۱۳)

مکتوب نمبر:۹

برادر اعظم صاحب، السلام علیکم،

نیاز نامہ بخدمت سامی فرستادہ ام، مگر ہنوز پاسخنش پرتو درد دونہ افگند، دل در اضطراب است کہ رسیدن نامہ از چہ رواست، امیدم ہست کہ جواب ایں نامہ بزودی تمام تر ارسال خواہند داشت کہ دل ستمزدہ را مایہ تسکیں خواہد بود، وزنگ تفکر از آئینہ خاطر خواہد زدود۔

زیادہ نیاز

شبلی

۷/اکتوبر ۱۸۸۲ء

ترجمہ:

برادرِ اعظم صاحب، السلام علیکم

نیاز نامہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا تھا، مگر اس کا جواب ابھی تک نہیں موصول ہوا۔ مضطرب ہوں کہ رسید ابھی تک کیوں نہیں آئی۔ امید ہے، خط ملتے ہی جواب ضرور دیں گے تا کہ دلِ ستم زدہ کو تسکین ہو اور آئینۂ دل سے بے کلی کا غبار چھٹ جائے۔

زیادہ نیاز

شبلی

۷/اکتوبر ۱۸۸۲ء

تعلیقات وحواشی

(۱) دیوان حماسہ: شعرائے دور جاہلیت کا کلام۔

(۲) علامہ شبلی نے ۱۸۷۷ء کی جنگ روم وروس میں جب وہ بیس سال کے نوجوان تھے،

ترکوں کے تعاون کے لئے اعظم گڑھ میں ایک جلسہ منعقد کیا۔ چنانچہ اس زمانہ میں انہوں نے اعظم گڑھ سے تین ہزار کی رقم جمع کی اور اسے بمبئی جا کر ترکی سفیر حسین حبیب آفندی کے ذریعہ ترکی بھیجا۔ اس سے ترکوں سے ان کی دلی محبت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ اس زمانہ میں ان کے دل میں ترکوں کی جو محبت جا گزیں ہوئی تو پھر کبھی محو نہیں ہوئی۔ سفر نامہ روم و مصر و شام کے اوراق اس کے شاہد ہیں۔

(۳) حکیم مولوی فقیر اللہ: علامہ شبلی کے ہم عمر، ہم وطن اور بے تکلف دوست تھے۔ بڑے وجیہ شخص تھے۔ زمینداری کے کاموں میں زندگی بسر کی۔ موضع بندول، دیوا بندول اور نکرہی وغیرہ میں ان کی زمینداریاں تھیں۔ (تاریخ بندول ص ۶۹) مزید تفصیلات معلوم نہ ہو سکیں۔

(۴) غازی عثمان پاشا: ۱۸۷۷ء کی روم و روس کی جنگ کے ہیرو اور ترک سپہ سالار تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اس جنگ میں انہوں نے ۷۰؍ ہزار روسیوں کو واصل جہنم کیا۔ علامہ شبلی ان سے بہت متاثر تھے۔ اسی جنگ میں تعاون کے لئے علامہ نے چندہ کیا اور ترکی بھیجا۔ اس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔

۱۸۹۲ء میں علامہ شبلی نے روم و مصر و شام کا جو سفر کیا تھا، اس میں قسطنطنیہ کے زمانہ قیام میں انہوں نے غازی عثمان پاشا سے ملاقات کی تھی۔ علامہ شبلی جب ان سے ملے تو ان سے کہا کہ میں آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دینا چاہتا ہوں کہ آپ نے انہیں ہاتھوں سے اسلام کی حفاظت کی ہے۔ ابھی علامہ شبلی نے کہا ہی تھا کہ انہوں نے بڑھ کر علامہ کا ہاتھ چوم لیا کہ آپ نے انہی ہاتھوں سے اسلام کی خدمت کی ہے۔

(۵) گرینڈ ڈیوک نکلسن: بادشاہ روس کا بھائی جو جنگ میں پیش پیش تھا شکست کے بعد مدد کے لئے بھاگتا پھرا، مگر کسی نے مدد نہ کی۔

(۶) مولوی محمد سلیم سمروی: علامہ شبلی کے احباب میں تھے۔ مزید تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔

(۷) مولوی منیر: اعظم گڑھ کچہری میں وکالت کرتے تھے۔ مزید تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔

(۸) مولوی نور محمد: حالات معلوم نہ ہو سکے۔

(۹) علامہ شبلی کی یہ غزل بھی ان کی دوسری غزلوں کی طرح ان کے کلیات میں شامل نہیں ہے، راقم نے علامہ شبلی کی دستیاب تمام غزلیں آثار شبلی میں جمع کر دی ہیں۔

(۱۰) خط کے مشمولات سے واضح ہوتا ہے کہ یہ خط ۱۸۷۷ء میں جنگ روم وروس کے زمانہ میں لکھا گیا۔لیکن ماہ کی تعیین نہیں کی جاسکی۔

(۱۱) مولوی عبدالحی: بندول ہی کے رہنے والے حافظ محمد حسنین کے صاحبزادے اور علامہ شبلی کے بے تکلف دوست مولوی محمد عمر کے بھائی تھے۔مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔

(۱۲) مولوی محمد عمر صاحب بیناپارہ کے رہنے والے اور علامہ شبلی کے خاص دوستوں میں تھے۔

(۱۳) یہ خط بقول ڈاکٹر خالدندیم قانون کے امتحان کی تیاری یعنی ۱۸۷۹ء میں لکھا گیا۔

(اردو ترجمہ مکاتیب شبلی ص۲۳)

مکتوب الیہ:۵

مولانا حمید الدین فراہیؒ

نامور عالم دین، مشہور مفسر اور صاحب تفسیر نظام القرآن مولانا حمید الدین فراہیؒ [۱۸۶۴-۱۹۳۰ء] علامہ شبلی نعمانی کے ماموں زاد بھائی، خصوصی فیض یافتہ اور نامور تلامذہ میں تھے۔ اپنی نیکی، سادگی، شرافت ومتانت، ذہانت و ذکاوت، علم وفضل، تفسیر ''نظام القرآن'' اور خاص طور پر نظریہ نظم قرآن کے سبب ان کا شمار عالم اسلام کے نامور علماء و مفسرین میں ہوتا ہے۔ ان کی تفسیر 'نظام القرآن' کے علاوہ قرآنیات اور اصول تفسیر سے متعلق متعدد کتابیں اور حواشی یادگار ہیں۔ حال ہی میں ان کے قرآنی تعلیقات وحواشی شائع ہوئے ہیں۔ جو پہلے عربی میں شائع ہوئے تھے۔ اب اس کا اردو ایڈیشن بھی دائرہ حمیدیہ سرائے میر سے شائع ہوگیا ہے۔ علامہ فراہی کو کئی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ وہ قدیم علوم پر دستگاہ کامل کے ساتھ جدید اور عصری علوم میں بھی درک رکھتے تھے۔ ان کی تصنیف وتالیف کی زبان اردو نہیں عربی تھی۔ تصنیفات کے ساتھ عربی میں انہوں نے دادِ سخن بھی دی ہے۔ ان کا عربی دیوان دائرہ حمیدیہ سرائے میر سے شائع ہو چکا ہے۔

فارسی زبان وادب پر بھی اہل زبان کی طرح دسترس رکھتے تھے۔ بچپن ہی میں مشق سخن کرنے لگے۔ عہد طفولیت میں ان کا کلام اس قدر پختہ تھا کہ قاآنی کے قصیدہ کے تتبع میں

قصیدہ کہا تو مولانا محمد فاروق چریا کوٹی[م:۷۱؍اکتوبر۱۹۰۹ء] جیسے استادفن کوبھی اس پر قدما کے کلام کا گمان ہوااور جب علامہ شبلی نعمانی نے انہیں بتایا کہ یہ مولوی حمیدالدین کا کلام ہےتوانہیں یقین نہیں آیا۔ان کا فارسی مجموعہ کلام''نوائے پہلوی'' بھی شائع ہو چکا ہے۔

علامہ فراہی۱۸؍نومبر۱۸۶۳ء کوضلع اعظم گڑھ کے ایک گاؤں پھریہا میں پیدا ہوئے۔ نامورعلماء وفضلاء سے تحصیل علم کیا۔جس میں علامہ شبلی نعمانی جیسے نابغہ روزگار بھی شامل ہیں۔علامہ شبلی ان کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ان سے اوربعض دوسرے علماء سے تحصیل علم کے بعدجدیداورعصری علوم کی تحصیل کے لئے ایم اےاوکالج علی گڑھ گئے اوروہاں سے انٹرمیڈیٹ اور بی اے کیا۔اس وقت انہیں عربی وفارسی پراس قدرعبورحاصل تھا کہ سرسید احمد خاں نے انہیں ان زبانوں کی تعلیم سے مستثنیٰ قرار دیدیا تھا۔جس پر کالج کے اساتذہ نے تعجب کیااورعلامہ شبلی مسرورہوئے۔

تحصیل علم کے بعدمختلف مقامات پر درس وتدریس کے فرائض انجام دئے۔ بہت دنوں تک مدرسۃ الاسلام کراچی سے وابستہ رہے۔ بعدازاں دارالعلوم حیدرآباد کے پرنسپل مقرر ہوئے۔جامعہ عثمانیہ حیدرآبادانہیں کے زمانہ میں یونیورسٹی بنا۔یونیورسٹی بنانے میں ان کے مفید مشوروں اورکوششوں کا بھی دخل تھا۔ وہاں سے سبکدوش ہوکرعلامہ شبلی کی خواہش کے مطابق وہ مدرسۃ الاصلاح کی خدمت کے لئے سرائے میراعظم گڑھ آ گئے اور بقیہ زندگی اسی کی خدمت میں صرف کی۔ یہاں انہوں نے درس وتدریس کے ساتھ مسلسل'قرآن مجید' کے مطالعہ وتحقیق ،غوروخوض اوراس کی غواصی میں منہمک رہے۔خودتو قرآن مجید پرغوروفکر اورتصنیف وتالیف کاعظیم الشان کارنامہ انجام دیا ہی مدرسۃ الاصلاح سرائے میرکوبھی قرآن مجید کے مطالعہ وتحقیق کا ایک مثالی مرکز بنادیا۔ان کی چنداہم تصانیف کے نام یہ ہیں۔

(۱)جمهرةالبلاغه (۲) القائد الیٰ عیون العقائد (۳) الرای الصحیح فی من هوالذبیح (۴) مفردات القرآن (۵) الامعان فی اقسام القرآن (۶) فی ملکوت الله (۷)

دلائل النظام (۸) التکمیل فی اصول التاویل (۹) اسالیب القرآن (۱۰) فاتحة نظام القرآن (۱۱) امثال آصف الحکیم (۱۲) اسباق النحو (۱۳) اسباق الصرف وغیرہ.

۱۱رنومبر ۱۹۳۰ء کو متھرا میں وفات پائی۔ جہاں وہ اپنے معالج سے آنکھ کے آپریشن کے لئے گئے ہوئے تھے۔ اور وہیں مسلمانوں کے عام قبرستان میں تدفین ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس خادم قرآن کی تربت نور سے بھر دے۔

مکتوب نمبر: ۱۰

در دست دیگرے است سپید و سیاہ ما
باروز و شب بہ عربدہ بودن چہ احتیاج

مایہ ناز ما!

نامہ ات رسید وآبے برآتشم زد، آرے جز شامرادیگر کیست کہ از وچشم غمخواری تواں داشت، خدایت حیات جاوداں دہد کہ کہ از غمزدۂ پرسیدی و بحالش وارسیدی۔

جان من! دلے کہ ہیچگاہ بوے راحت نشیدہ باشد، وگاہے روے دولت ندیدہ باشد، خود انصاف دہ کہ چگونہ تاب بمہری روزگار خواہد آورد، چساں بایں ہمہ ہیچ میرسیہا بسر تواند کرد، عزیزان .... آرے کہ جگر خون کردن دارد، اگر چہ من ازیں افسانہا باخبر نبودہ ام مگر ایں قدر دانم کہ ...... گفتن نسزد ونوشتن نیرزد، چوں سخنے ناسزا بود، نخواستم کہ چیزے از ودر گوش کنم مگر ایں خود بجوئے نیرزد۔ ع

عیسیٰ ایں را متحمل شد و مریم برداشت
مگر دریں آشوب ہمہ را شریک دانستن غلط است

......را چنانکہ من می دانم گناہے نیست، از حضرات مافی الضمیر دل آزردہ نبودہ ام

اگر چہ با ایشاں سر نیاز ہم ندارم، ایں قدر دانم کہ . . . را با من سرگرانی کہ ہست از یں روست کہ من با طاعت ایشاں تن در نمی دہم، وایں تا ابد از من نمی آید، در حیرتم کہ چوں دریں میان تعطیلے نیست، شما چگونہ بمن خواہید پیوست، دریں نزدیکی بیتے چند برروش بحر طویل از زبان خامہ بردن جست آئینہ راز است پارہ ازاں می نویسم۔ والسلام

شبلی نعمانی

علی گڑھ، ۱۷ر جنوری ۱۸۸۴ء

ترجمہ:

در دستِ دیگرے است سپید و سیاہِ ماہ

با روز و شب بہ عربدہ بودن چہ احتیاج

مایۂ نازِ ما

تمہارا خط پہنچا، بے قراری کو قرار آ گیا۔ اور ہاں! تمہارے سوا کون ہے جس سے مَیں غم خواری کی توقع کروں۔ خدا تمہیں حیاتِ جاوِداں عطا کرے کہ تم نے ایک غم زدہ کا حال پوچھا۔

جانِ من!

جس دِل کو کبھی راحت نصیب نہ ہوئی ہو اور جس نے کبھی خوش بختی کا منہ نہ دیکھا ہو؛ خود انصاف کرو، بے مہریِ دنیا کی تاب لائے تو کیسے؟ اور اس بے کسی میں گزران ہو تو کیسے؟ اس پر عزیزوں کی باتیں کہ جگر خون ہوتا ہے۔ اگر چہ مجھے ان افسانوں کی خبر نہیں، مگر اتنا جانتا ہوں کہ وہ نہ تو لکھنے کی ہیں اور نہ سننے کی۔ جب بات ہی نامناسب ہو تو اس پر کان دھرنے کا فائدہ؟ مگر یہ ہیں نکمی باتیں......عیسیٰ ایں را متحمل شد و مریم برداشت......البتہ اس برائی میں سب کو شریک سمجھنا غلط ہے۔

...... جہاں تک مَیں جانتا ہوں، گناہ نہیں۔ مَیں ان لوگوں کی باتوں سے آزردہ

نہیں۔ اگر چہ مجھے ان سے کوئی نیاز مندی بھی نہیں ہے، لیکن مَیں اتنا جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے سرگراں اس لیے ہیں کہ مجھے ان کی اطاعت قبول نہیں اور نہ ہی مجھ سے کبھی ایسا ہوگا۔

مجھے حیرت ہے کہ اس دَوران میں کوئی تعطیل بھی نہیں، پھر تم مجھے کیسے ملو گے؟ ابھی ابھی طویل بحر میں کچھ شعر موزوں ہوئے ہیں، ان میں سے کچھ لکھتا ہوں (۱)۔ والسلام

شبلی نعمانی

علی گڑھ

۱۷ر جنوری ۱۸۸۴ء

مکتوب نمبر:۱۱

عزیزی سلام شوق!

دو سہ روز یست کہ دریں خرابہ رخت اقامت نہادہ ام، اگر کسے از من باز پرسد کہ چساں می گزاری و چگونہ شب بروز می آری، جز انیکہ لختے چوں آئینہ حیران مانم، دو مے خون دل از دیدہ برفشانم، دیگر چہ توانم گفت اسحٰق نیست کہ مراز دست برد وحشت امان دہد، تو نیستی کہ سخن ہائے دلپذیرت درتن مردہ ام جان دہد اگر میاں محمد ابراہیم ہم بچارہ کارم نہ رسیدندے، من بے ساز و برگ چشم برراہ مرگ بودہ ام۔

عزیز من! ہمگی دراں باید کوشید کہ از زبان انگریزی آنمایہ درقریب فرصتے اندوختہ باشی کہ درو بے زحمت وتکلف حرف زدن توانی، تاہم شمارا برہمگنان مزیتے باشد وہم مدرسہ را از شما زیب وزینتے، چنداں کہ کارآ گہاں ایں قضیہ را فیصل کردہ اند۔

عزیزی محمد عثمان را سفر نامہ ناصر خسرو باید آموخت، شمان باو برخورید واز او قیمت سفر نامہ کہ کم وبیش یک روپیہ خواہد بود، خواستہ بمن باز فرستید، تا کتاب مذکور باو فرستادہ باشم،

نامہ از من کہ بمہدی حسن بود و درنامہ میان عبدالحمید ذکرش بمیان آمدہ است ہمیں کہ برجانب دیگرش بازمی نویسم۔

ہر چند دانم کہ فرومائگان سخنہائے... رابرخود گرفتہ باشند و بزمہا آراستہ تاہم بمن باز تواں گفت کہ ایشاں چہ ہرزہ اندیشیدہ اند و چہ لافہا باختہ حیف۔

والسلام

شبلی

ترجمہ:

عزیزی! سلامِ شوق

اس خرابے میں آئے ہوئے مجھے دو تین روز ہو گئے ہیں۔ اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ کیسے گزر رہی ہے اور شب و روز کیسے کٹتے ہیں تو مَیں حیرت سے اس کا منہ تکتا ہوں اور خون کے آنسو روتا ہوں۔

زیادہ کیا کہوں، اسحاق نہیں کہ جو اس وحشت میں مجھے بہلائے رکھتا، تم بھی نہیں کہ تمہاری دل پذیر باتوں سے مردہ جسم میں جان پڑ جاتی۔ اگر میاں محمد ابراہیم (۲) بھی میری مدد کو نہ پہنچتے تو مَیں بے ساز و برگ موت کی راہ دیکھ رہا ہوتا۔

عزیزِ من! کوشش کرو کہ جلد اتنی انگریزی زبان سیکھ لو کہ بے تکلف اس میں بات چیت کر سکو تا کہ تمہیں اپنے ہم مرتبہ لوگوں پر برتری حاصل ہو اور تمہارے دم سے مدرسے کی شان ہو، جیسا کہ احباب نے اس مسئلے کا حل نکالا ہے۔

عزیزی محمد عثمان (۳) کو سفر نامۂ ناصر خسرو (۴) پڑھ لینا چاہیے۔ تم اس سے ملو اور اس سفر نامے کی قیمت جو کم و بیش ایک روپیہ ہے، وصول کر کے مجھے بھیج دو، تا کہ مَیں یہ کتاب اسے بھیج سکوں۔

مَیں نے جو خط مہدی حسن کو بھیجا تھا اور جس کا ذکر میاں عبدالحمید کے خط میں آ گیا

تھا؛ وہ یہی ہے، جس کی دوسری جانب مَیں یہ خط لکھ رہا ہوں۔ ہر چند مَیں جانتا ہوں کہ بے مایہ لوگ اس کو اپنے اوپر محمول کریں گے اور اپنی محفلوں میں حاشیہ آرائی کریں گے۔ البتہ مجھے معلوم تو ہو کہ انھوں نے اس سلسلے میں کیا طومار باندھے۔(۵) افسوس! والسلام

شبلی

تعلیقات و حواشی

(۱) یہ اشعار درج ہونے سے رہ گئے۔

(۲) میاں محمد ابراہیم: خانوادہ شبلی کے ایک فرد تھے۔ مزید تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔

(۳) محمد عثمان: علامہ شبلی کے چچازاد بھائی اور شیخ مجیب اللہ کے صاحبزادے تھے۔ علامہ شبلی نے اپنے ساتھ رکھ کر ایم اے او کالج علی گڑھ میں انہیں تعلیم دلائی تھی۔ بعد میں وہ الہ آباد کے کوتوال مقرر ہوئے۔ یہ اور مولوی محمد اسحاق وکیل دونوں چچازاد بھائی ساتھ ہی رہتے تھے۔

(۴) ایک مشہور سفر نامہ جو فارسی کے فلسفی شاعر اور دانش ور ناصر خسرو [۱۰۰۴-۱۰۸۸ء] کے قلم سے ہے۔ ناصر نے ایک عرصہ [۶/مارچ ۱۰۴۶ء سے ۲۳/اکتوبر ۱۰۵۲ء] تک سیاحت کی تھی۔ چار بار حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔

(۵) مہدی حسن بیرسٹر تعلیم کے لئے جب لندن پہنچے تو وہاں کی بود و باش اور آزاد خیالی سے متاثر ہوئے اور ان سب پر بے تکلفانہ پر تبصرے لکھ کر اپنے والد شیخ حبیب اللہ کو بھیجے۔ اس پر بعض لوگوں نے تنقیدیں کیں۔ اس خط میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

مکتوب الیہ:۶

مولوی محمد عمر صاحب بیناپارہ

مولوی محمد عمر، مولانا سید سلیمان ندوی کی صراحت کے مطابق موضع دیناپارہ اصلاً بیناپارہ ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے۔ علامہ شبلی کے اعظم گڑھ کے شاگردوں میں سے تھے۔ ان کے نام ''مکاتیب شبلی'' حصہ دوم میں ۸/ فارسی خطوط شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے بارے میں کسی قسم کی تفصیل نہیں ملتی۔

دارالمصنّفین قائم ہوا تو یہ زندہ تھے۔ اپنی بیاض جس میں علامہ شبلی کا بھی کلام تھا۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ کے حوالہ کی تھی۔ بعد میں وہ کیا ہوئی کچھ معلوم نہیں ہوسکا۔ علامہ شبلی سے اس تعلق کے بعد بھی ان کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ نہ ماہ نامہ معارف میں اور نہ ماہ نامہ الاصلاح سرائے میر میں۔ موضع بیناپارہ کے لوگ بھی اپنے اس بزرگ سے واقف نہیں۔'' تذکرہ علمائے اعظم گڑھ'' میں مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی استاذ دارالعلوم دیوبند نے بھی ان کا تذکرہ نہیں لکھا ہے۔

علامہ شبلی کے ابتدائی دور کے خطوط مولوی محمد سمیع کے علاوہ مولوی محمد عمر صاحب نے بھی سینے سے لگا کر محفوظ رکھا تھا اور جب اس کی تدوین واشاعت کا موقع آیا تو مدون مولانا سید سلیمان ندوی کے حوالہ کیا۔ جس سے علامہ شبلی کی ابتدائی زندگی کے احوال تو معلوم ہی

ہوتے ہیں ان کی عقیدت شبلی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ان کے پاس علامہ شبلی کا ابتدائی دور کا کچھ کلام بھی تھا جو انہوں نے ''کلیات شبلی'' میں شمولیت کے لئے سید صاحب کو فراہم کیا تھا۔اس میں خود ان کی نوید شادی پر کہی گئی علامہ شبلی کی ایک نظم بھی شامل ہے۔اس کا پہلا شعر یہ ہے:

در عیش وطرب باز است امروز
جہان را کار با ساز است امروز

اور خاتمہ اس شعر پر ہوا ہے:

ز راہ لطف کار من بسازند
غریبے را باحسانے نوازند

(کلیات شبلی فارسی ص۹۹،۱۰۰)

مکتوب نمبر:۱۲

حیاک اللہ

نامہ ات رسید، خدایم نیامرزد اگر درروائے کارت پہلوتہی کردہ باشم، راست است کہ دریں نزدیک بہ من رسیدن سودے نہ بخشد، غازی پور جائے خوش است، اگر عزم آنجا کنی بکام خود خواہی رسید واز من چہ پرسیدہ کہ محمد سمیع مصاہرت الٰہی شاہ راپذیر دیانہ، ہمانا سمیع راطالع بلند است کہ ازازل بہ مکرمت فقراارجمند است ازیں خوشتر چہ خواہد کہ اگر حلیلہ اول از پائے درآمد دیگرے نعم البدل بدست افتاد، ع

درکارخیر حاجت ہیچ استخارہ نیست

شبلی نعمانی

۱۰/مارچ ۱۸۸۱ء

ترجمہ:

حیاک اللہ

تمہارا خط ملا۔ خدا میری مغفرت نہ کرے اگر مَیں تمہارے معاملے میں پہلوتہی کروں۔ سچی بات یہ ہے کہ اِن دِنوں میرے ہاں آنے کا چنداں فائدہ نہیں۔ غازیپور اچھی جگہ ہے۔ اگر وہاں جانے کا ارادہ ہے تو تمھیں اپنا مقصد حاصل ہو جائے گا۔

مجھ سے کیا پوچھتے ہو؟ محمد سمیع نے الٰہی شاہ (۱) کی دامادی قبول کر لی ہے یا نہیں؟ محمد سمیع شروع سے ہی قسمت کا دھنی رہا ہے، کیونکہ اسے شروع ہی سے فقرا کی مکرمت حاصل ہے۔ اس سے اچھی بات اَور کیا ہو سکتی ہے کہ پہلی بیوی [کی رحلت کے بعد اس] کا نعم البدل مل جائے:

در کارِ خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست

شبلی نعمانی

مکتوب نمبر: ۱۳

یار دلنواز!

روزگارے بسر آمد و نامہ نہ در آمد، همانا پیوند یارے بشکست، خود شوریدہ سر بودم روے بر تافتن دوستان آشفتہ ترم کرد، بنویسند تا چہ می خوانند و چگونہ می گزارند، دریں روز ہا، کان کشادہ ام و تن بہ آموختن کسان در دادہ، مولوی سلیم نند اوی و سمروی ہر دو ہمیں جا بسر می برند، ندانم مولوی محمد فقیر اللہ را چہ در سر پیچیدہ است کہ خان و مان بر باد دادہ اند و بے ہودہ در پئے ہنر ہائے نا سودمند افتادہ، از دوری بجان آمدہ ام، می بینم تا کے از دیدار آن یگانہ روزگار

دلشادمی نشینم، چنداں کہ تو انند دل برآں گمارند کہ درآنجائے کتابہائے نایافت فراہم آرند۔

دیدہ بر رہ ظہیر فاریابی دوختہ بودم، نرسید، دانستم کہ ہر چہ ہست از بخت ناساز ماا ست، دیگر چہ نویسم۔

شبلی عفی عنہ

ازبستی

۱۷/مارچ ۱۸۸۱ء

ترجمہ:

یارِ دلنواز

ایک مدت سے تمہارا خط نہیں آیا، شاید دوستی کا رشتہ ٹوٹ چکا ہے۔ مَیں تو پہلے ہی پریشان تھا، دوستوں کی چپ نے تو مجھے اَور بے چین کر دیا ہے۔ جلد خط لکھو تا کہ معلوم ہو کہ کیا پڑھ رہے ہو اور کیسے گزر رہی ہے؟ ان دِنوں مَیں ہمہ وقت درس و تدریس میں مصروف ہوں۔ مولوی سلیم نند اوی (۲) اور سمروی دونوں یہیں رہتے ہیں۔ مولوی محمد فقیر اللہ کو نجانے کیا ہو گیا ہے، گھر بار لٹا بیٹھے ہیں اور بے فائدہ قسم کے ہنر حاصل کرنے کے در پے ہیں۔ دُوری کی وجہ سے میری جان پر بن گئی ہے۔ دیکھئے اس یگانۂ روزگار کے دیدار سے کب دل شاد ہوتا ہے۔؟

جہاں تک ہو سکے نایاب کتابیں ڈھونڈتے رہنا۔(۳) ظہیر فاریابی (۴) [کے دیوان] کا مجھے شدت سے انتظار تھا، ابھی تک تو نہیں پہنچا۔ شاید یہ میرے بختوں کی نارسائی ہے۔ اَور کیا لکھوں!

شبلی عفی عنہ

ازبستی (۵)

۱۷/مارچ ۱۸۸۱ء

مکتوب نمبر:۱۴

حیاک اللہ

نامہ ات رسید و دل را بسوے دیدہ کشید، بارے توفیقت رہبری کرد کہ حنا از پائے خامہ کشادی وطرح مکاتبت درمیان نہادی، پارہ از روتذکرہ برزبان قلم آمدہ بود کہ ہمدریں میان مارابکارامانت گماشتند واز ہجوم کاروتراکم افکار کمری سنج کردن نتوانستم، وچوازیں کشمکش فارغ نشستم دیگر روئے داد یعنی کارم بہ گودام ومتعلقات اوافتادو ہرچند آن چناں کارے سزائے ایں ہیچ کارہ نہ بود مگر مراازامتثال امرحضرت قبلہ گاہی چارہ نبود، اکنوں کہ ازیں ہرزہ گردیہا ستوہ آمدہ خودراایں جارساندہ ام، ان شاء اللہ دراندک زمانے ازعہدہ روتذکرہ بدرمے آیم، مردمان گویند کہ ایماضات ورسالہ دیگر ہم از حافظ صاحب است، تاحال برعلم و استعداد حافظ صاحب اعتمادے داشتم، اکنوں آں ہم برخااست، ان شاء اللہ درقریب وقتے بہ غازی پورمی رسم ... ودریں اغلاط و پالغز ہائے مصنف تذکرہ وایماضات ہمہ باز خواہم گفت، دریں سفر جناب حافظ حبیب اللہ خان صاحب وعزیزی مولوی محمد سمیع ہمراہ من خواہند بود، معلوم نیست کہ قصیدہ بمولوی عبدالاحد شمشاد سپردی، یاچوں نام من اورا ہم ازیاد بردی۔ والسلام

شبلی نعمانی

۷/اکتوبر۱۸۸۲ء

ترجمہ:

حیاک اللہ

تمھارا خط پہنچا، دل ہمہ پہلوچشم ہوا۔ خیر، توفیق کی یاوری سے قلم کا زنگ تو دُور کیا اور مکاتبت کا آغاز کیا۔ ردِّ تذکرۃ (۶) کے سلسلے میں ابھی تھوڑا بہت ہی لکھا تھا کہ مجھے اس

کام میں [قرق] امین بنا دیا گیا ہے (۷)۔ ہجومِ کار اور کثرتِ افکار کے باعث فی الحال اس کام کے لیے دوبارہ کمر بستہ نہیں ہوسکتا۔ اس کشمکش سے نجات ملی تو ایک اَور افتاد آن پڑی، یعنی گودام اور اس کے متعلقات کی نگرانی کرنی پڑی (۸)؛ اگرچہ یہ کام میرے لائق نہیں تھا، لیکن مجھے حضرت قبلہ گاہ [والد] کے تعمیلِ حکم کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اب کہیں جا کر اس بیگار سے جان چھوٹی ہے اور مَیں واپس آ گیا ہوں۔ (۹)

اِن شاء اللہ جلد ہی تذکرۃ کا جواب مکمل کر دوں گا۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ ایماضات (۱۰) کے علاوہ حافظ صاحب (۱۱) کا ایک اَور رسالہ بھی ہے۔ اب تک تو مجھے حافظ صاحب کے علم و استعداد پر اعتماد تھا، مگر اب وہ بھی اُٹھ گیا ہے۔ اِن شاء اللہ جلد ہی غازیپور جاؤں گا اور تذکرۃ اور ایماضات کے مصنف کی اغلاط اور لغزشوں کی نشاندہی کروں گا۔ (۱۲)

اس سفر میں حافظ حبیب اللہ خاں (۱۳) اور عزیزی مولوی محمد سمیع بھی میرے ساتھ ہوں گے۔ معلوم نہیں کہ قصیدہ مولوی عبدالاحد شمشاد (۱۴) کے سپرد کیا ہے یا تم میری طرح اسے بھی بھول گئے۔ والسلام

شبلی نعمانی

۷/اکتوبر ۱۸۸۲ء

مکتوب نمبر: ۱۵

در سال نود و نہ ۱۲۹۹ھ از ہجرت پیغامبر علیہ السلام روزے بعیادت برادر قاضی محمد سلیم رفتہ بودم، از ہر دری سخن می رفت، پس از ساعتے گفتند کہ امروز در خواب دیدہ ام کہ شما در شان من بیتے چند موزوں کردہ اید، مرا در گمان بود کہ ایں سخن ہرزہ پیش باشد، روز دیگر تاریخ وفات ایشاں می خواست، بدر دل می ریختند و ہر چہ کہ از ترتیب نظم او خویش را باز می

داشتیم کہ ایں خود فال بداست مگر مصرع تاریخ ہم ناخواستہ در دل فرود آمد، و در آں ساعت چیزے از گفتہ برادر ممدوح بخاطر نبود، روز دیگر خواب شان بیادم آمد واز واقعہ حیرتے عجب بر دل مستولی شد، پس از اسبوعے کہ ایشاں سر بخاک نہادند و جان بجہان آفریں سپردند ہ بر صدق رویائے شان بس عجب کردم ودانستم کہ عالم قدس را زیں جنس راز ہا است کہ مرغ اندیشہ را تا حد او محال پرواز نیست وہذا ہوالبیت المقدم ذکرہ۔

چوں خواستم ز پیر خرد سال مرگ او
از روے درد گفت کہ قاضی سلیم مرد
شبلی نعمانی

۱۰؍اکتوبر ۱۸۸۲ء

ترجمہ:

۱۲۹۹ھ کی بات ہے کہ مَیں ایک دِن برادر قاضی محمد سلیم (۱۵) کی عیادت کو گیا۔ مختلف موضوعات پر تبادلہ خیال ہوا، کچھ دیر بعد وہ کہنے لگے، 'آج رات مَیں نے خواب میں دیکھا کہ تم نے میرے متعلق چند اشعار موزوں کیے ہیں'۔ اگرچہ مجھے اندازہ تھا کہ یہ محض فضول سی بات ہے، لیکن جب اگلے دِن ان کی تاریخ وفات کی جستجو کی تو از خود یہ بات دِل میں آ گئی۔ ہر چند مَیں نے اپنے تئیں اس سے باز رہنے کی کوشش کی، کیونکہ یہ بجائے خود ایک بدشگونی تھی، تاہم نہ چاہتے ہوئے بھی مصرعِ تاریخ خود بخود موزوں ہو گیا؛ حالانکہ ممدوح کی کہی ہوئی بات میرے ذہن میں نہیں تھی۔ اُن کا خواب دوسرے روز بھی مجھے یاد آتا رہا اور اس واقعے نے مجھ پر عجب کیفیت طاری کر دی۔

ایک ہفتے بعد انھوں نے جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ ان کے رویاے صادقہ پر مجھے سخت تعجب ہوا اور یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ کچھ ایسے ہی لوگ عالمِ قدس کے راز دار ہوتے ہیں، جہاں پر وہم وگماں کی پرواز بھی محال ہوتی ہے، جیسا کہ اس شعر میں مذکور ہے:

چون خواستم ز پیر خرد سال مرگ او
از رُوے درد گفت ’کہ قاضی سلیم مرد(۱۶)

شبلی نعمانی

۱۰/ اکتوبر ۱۸۸۲ء

مکتوب نمبر: ۱۶

نورنظر محمد عمر سلمہ!

حیاک اللہ، نامہ ات رسید و نارسیدنت را عذرے مقبول آورد، ہمہ حیرت زدہ ام کہ بایں ہمہ شغف از من دور ماندی و تا ایں زمان خویشتن را دراینجا نرساندی، خدایت شفا دہد، من خود در آنجا آمدن خواہم و در پردہ کشائی ایں راز آستین محنت بالا خواہم زد کہ ہائلہ بزرگ است و حادثہ سترگ، تو ہم میدانی کہ اگر سرایں چشمہ بند نشد، ایں قطرہ دریا می شود و ایں جادہ بصحرا می کشد، سمیع در پھر ہا بہ من پیوستہ بود، و می گفت کہ اگر ز میں مجوث فیہا از من نہ باشد من از جملہ دعاوی دست در آستیں می کشم، گفتم کہ ایں ہمہ بجوئے نیز زد، چودر ایں جا می رسم مردہ از روے کار برمی خرد و تا حال بدیں لا بہا نتواں فریفت۔

والسلام

شبلی نعمانی

۲۹/ اکتوبر ۱۸۸۲ء

ترجمہ:

نورِنظر محمد عمر سلمہ

حیاک اللہ۔ تمہارا خط ملا اور نہ آسکنے کا معقول عذر بھی۔ حیرت ہے، اتنے اشتیاق

کے باوجود تم کس طرح مجھ سے دُور رہے اور اب تک نہ آئے۔ خدا تمھیں شفا دے۔ میں خود وہاں آ کے تمہاری علالت کی وجہ معلوم کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ یہ ایک بڑی خرابی اور بڑا حادثہ ہے۔ تمھیں بھی خبر ہے کہ اگر اس چشمے کا منہ بند نہ کیا گیا تو یہ قطرہ دریا میں بدل جائے گا اور رستہ صحرا تک جائے گا۔

سمیع [موضع] پھریہا (۱۷) میں مجھ سے ملا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اگر متنازع اراضی اور مکان میری ملکیت نہ ہو تو میں اپنے دعوے سے دستبردار ہو جاؤں گا (۱۸)، مَیں نے سمجھایا کہ ان باتوں کی کوئی اہمیت نہیں۔ (چو در این جا میرسم مردہ از روئے کار برمی خرد، کذا) ابھی مَیں ان کی باتوں میں آنے والا نہیں۔

شبلی نعمانی

۲۹/ اکتوبر ۱۸۸۲ء

مکتوب نمبر: ۱۷

عزیزی محمد عمر سلمہ

حیاک اللہ

از نارسیدنت چہ مایہ خونِ جگر خوردہ ام، خود می دانی کہ آشفتہ مزاجیم تاب ایں چنیں نافرمانیہا نیارد، اکنوں کہ داند آن بدل فشردہ ام، اگر درنگ ورزیدی وزود تر بہ من نہ رسیدی دیگر با من خوردن نتوانی کہ زمانہ قریب ازیں جارخت سفری بندم و در اعظم گڑھ رسیدہ بعزیزان وطن می پیوندم، ندانم تا درامر معلوم حق بجانب کیست، ہمانا تو دانستہ باشی، دگر چنین است مرا ہم مطلع باید کرد، دیگر چہ نویسم۔

شبلی نعمانی

۲۹؍اکتوبر۱۸۸۲ء

ترجمہ:

عزیزی محمد عمر سلمہٗ

حیاک اللہ۔تمھارے نہ آنے سے مَیں کہاں تک خونِ جگر پیوں۔تمہیں معلوم ہے کہ میری آشفتہ مزاجی اس طرح کی نافرمانیوں کی تاب نہیں لاسکتی۔مَیں نے چپ سادھ لی ہے۔اگر اب مزید تاخیر ہوئی اور جلد ملنے نہ آئے تو مجھ سے ملاقات نہیں ہو سکے گی، کیونکہ میں جلد ہی اعظم گڑھ کے لیے روانہ ہو جاؤں گا اور وطن پہنچ کر اپنے عزیزوں سے ملوں گا۔ معلوم نہیں، اس معاملے میں حق بجانب کون ہے؟ تم تو شاید جانتے ہو، اگر ایسا ہے تو مجھے بھی مطلع کرو۔اَور کیا لکھوں؟

شبلی نعمانی

۲۹؍اکتوبر۱۸۸۲ء

مکتوب نمبر:۱۸

ای نور دیدہ شبلی سلامت باش وصد سال بزی

بیش از ہفتہ گذشتہ است کہ نامہ ات چوں دم عیسیٰ بسر کارم رسید، اے جان کسے ایں خود غلط است کہ دم رجعت بہ جونپور نفسے راست کردہ بودم دگرنہ چہ امکان میداشت کہ با تو برنخوردمے آرے اگر ازیں رو دلت گرفتہ است کہ چرا در آنجا بار اقامت نہ نہادم، معذورم دار، قسم براستی کہ یارائے داریم نبود مگر پس از رسیدن بدولت وصالت فراق غمے دیگری داشت

خو می کنی بہ ہجر تو در روز زندگی

دل کندن از رخ تو بہ یکبار مشکل است

از نامہ ات بحال مدرسہ دلم بدرد آمد کہ سپہر دون لطف الرحمٰن وغیرہ را بکار تعلیم و تعلم گماشتہ است اوج از دست فلک کہ ہماں جائے افادت، مفتی محمد یوسف صاحب اکنوں ایں شعر برزبان حال دارد۔

از ہجوم چغد در ویرانہ ماجا نماند
آں قدر آباد شد آخر کہ مامی خواستم

بنویس تا عبدالعزیز و محمد از الٰہ آباد باز آمدند یا نہ۔

والسلام
شبلی نعمانی

۵/نومبر ۱۸۸۲ء

ترجمہ:

اے نورِ دیدۂ شبلی، سلامت رہو، سیکڑوں برس جیو!

ایک ہفتہ پیشتر تمہارا خط ملا، جس نے دمِ عیسیٰ کا کام کیا۔ میری جان! بالکل غلط کہ جون پور سے واپسی کے موقعے پر دم بھر کو بھی رُکتا اور تمھیں نہ ملتا؛ ہاں، اگر اس وجہ سے تم دل گرفتہ ہو کہ مَیں وہاں کیوں نہ رُکا تو اس پر معذرت۔ سچی بات تو یہ ہے کہ میرے لیے تم سے دُوری ناقابلِ برداشت ہے اور ملاقات کے بعد دردِ جدائی مزید بڑھ جاتا۔ ع

خو می کنی بہ ہجر تو در روزِ زندگی
دل کندن از رُخ تُو بہ یکبار مشکل است

تمھارے خط سے مدرسے (۱۹) کے حالات معلوم کر کے بہت دُکھ پہنچا۔ بدقسمتی سے تدریس کی ذمہ داری مفتی محمد یوسف صاحب (۲۰) کے بجاے مولوی لطف الرحمٰن (۲۱) وغیرہ کے سپرد کرنی پڑی۔ اب یہ شعرورد زبان رہتا ہے:

از ہجومِ چغد در ویرانۂ ما جا نماند

آن قدر آباد شد آخر کہ ما می خواستیم
یہ بتاؤ کہ عبدالعزیز (۲۲) اور محمد (۲۳) الہ آباد سے واپس آئے یا نہیں؟ والسلام
شبلی نعمانی
۵؍نومبر ۱۸۸۲ء

مکتوب نمبر: ۱۹

ہان وہان اے فرزانہ مولوی محمد عمر

اگر بایں ہمہ کہ سپہر کج باز مصائب وحوادث متواترہ برسر شمار یخت نامہ ننوشتم، و بہ تشفی خاطر اندوہگیں شما حرفی نزدم، زینہار گمان نہ بری کہ دل از مہر بر کندم، من وخدائے من کہ از فرط اندوہ مرا یارائے آں نبود کہ خامہ دردست گرفتمے و نامہ کہ آبی برآتش حرمانت زند بنوشتی، اوخ کہ جناب حافظ صاحب کمر ہمت شکست وعنان صبر از دست رفت، چہ خوب بودی اگر خود تشریف ارزانی داشتندے و عزیزان بچارہ نواختندی، آخر خواہ ناخواہ دندان بردل فشارید، و بہ شکیب در سازید کہ الصبر مفتاح الفرج، حمید چیچک برآوردہ بود، اکنوں صحت یافت، امروز کہ روز طوی میاں محمد عظیم است بہ املوی روم و عاجلانہ دو سہ حرفی بروی کاغذ نوشتہ ام۔

از حالات امتحان خبرے نیست عبدالمجید وعبدالحلیم وعبدالرحیم و چند کسانے دیگر ممنوع شدند۔ والتسلیم،
شبلی نعمانی

ترجمہ:

اے میرے فرزانہ مولوی محمد عمر!

اگرچہ تجھ پر مصائب وحوادث کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، لیکن مَیں نے تجھے خط نہ لکھا اور نہ کوئی تسلی کا لفظ لکھا؛ تاہم ہرگز یہ گمان نہ کرنا کہ مَیں نے اپنے دل سے تیری محبت کھرچ ڈالی ہے۔ یہ مَیں جانتا ہوں یا میرا خدا کہ تیرے فرطِ غم نے اس قدر رنڈھال کر دیا کہ قلم نہ پکڑ سکا کہ خط لکھتا جو تمہاری آتش غم پر پانی کا سا اثر کرتا۔ افسوس! جناب حافظ صاحب بھی ہمت ہار بیٹھے اور صبر کا دامن ان کے ہاتھ سے بھی چھوٹ گیا۔ کیا ہی اچھا ہوتا، اگر وہ خود تشریف لاتے اور پریشان حال عزیزوں کی دل جوئی کرتے۔ چار و ناچار صبر سے کام لو کہ صبر ہی کامیابی کی کلید ہے۔

حمید کو چیچک نکل آئی تھی، [البتہ] اب وہ صحت یاب ہو گیا ہے۔ آج جب کہ میاں محمد عظیم (۲۴) کی شادی ہے، مَیں [موضع] املو (۲۵) جا رہا ہوں۔ اس عجلت میں کاغذ پر یہ دو تین باتیں لکھ دی ہیں۔

امتحانات کب ہوں گے، کچھ خبر نہیں۔ عبدالمجید، عبدالحلیم، عبدالرحیم (۲۶) اور دیگر [چنداَور طلبہ] کو [امتحان میں بیٹھنے سے] روک دیا گیا ہے۔ والتسلیم

شبلی نعمانی

تعلیقات وحواشی

(۱) الٰہی شاہ: مولوی محمد کامل ولید پوری کے مرید وخلیفہ تھے۔ وہ صبر حد ضلع جون پور کے رہنے والے تھے۔ علامہ شبلی کے والد شیخ حبیب اللہ ان کے مرید تھے۔ علاقہ کے متعدد اشخاص ان سے بیعت وارادت کا تعلق رکھتے تھے۔ تصوف کے اسی لگاؤ سے شیخ حبیب اللہ نے اپنے بچوں کے نام شبلی وجنید رکھے تھے۔

(۲) مولوی سلیم نند اوی: ان کی نسبت سے معلوم ہوتا ہے کہ موضع نند اؤں ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے۔ مزید تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔

(۳)   علامہ شبلی نعمانی کا نادر کتابوں کے مطالعہ کا شوق نہایت قدیم تھا۔اسی زمانہ کا یہ ایک خط ہے۔(مولانا سید سلیمان ندوی)

علامہ کے ایک فارسی خط سے معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں ان کا ذاتی کتب خانہ بھی تھا۔

(۴)   ظہیرالدین ظہیر فاریابی[۱۱۵۶-۱۲۰۱ء] فارسی کا بڑا نامور شاعر گذرا ہے۔۱۱۵۶ء میں فاریاب افغانستان میں پیدا ہوا۔اور ۱۲۰۱ء میں ایران کے شہر تبریز میں وفات پائی۔اس کی شاعری نے بڑی مقبولیت حاصل کی۔کسی شاعر ہی کا قول ہے کہ ''دیوان ظہیر فاریابی در کعبہ بدزد اگر بیابی'' یعنی اگر تم کو ظہیر فاریابی کا دیوان کعبہ میں بھی ملے تو چرالو۔۱۹۱۶ء میں مطبع نول کشور لکھنو نے ظہیر کا کلیات بڑے اہتمام سے شائع کیا تھا۔علامہ شبلی ظہیر فاریابی کے بڑے مداح ہیں۔اگرچہ شعرالعجم میں مستقل تذکرہ نہیں لکھا ہے، تاہم اس کا ذکر اس کثرت سے آیا ہے کہ شاید ہی شعرالعجم کا کوئی حصہ اس کے ذکر سے خالی ہوگا۔''کلیات شبلی'' کے ''قصیدہ متضمن تحسین طرز نو'' کے ایک شعر میں بھی علامہ نے ظہیر فاریابی کو یاد کیا ہے۔(کلیات شبلی فارسی ص ۱۷)

(۵)   یہ خط ضلع بستی سے لکھا گیا ہے، جہاں علامہ شبلی نے چند ماہ وکالت کی تھی۔

(۶)   تذکرہ سے مراد مولانا نور محمد ملتانی کا رسالہ ''**تذکرۃ المنتھی فی رد اسکات المعتدی** '' ہے۔جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ علامہ شبلی کے رسالہ ''**اسکات المعتدی علی انصات المقتدی**'' کا جواب ہے۔مولانا نور محمد ملتانی نے علامہ کے اسکات کے جواب میں تین رسائل لکھے۔مذکورہ بالا رسائل کے علاوہ دونوں رسائل کے نام ''**الافادات فی رد الاسکات** '' اور ''**التنبیھات علی ھفوات الاسکات**'' ہیں۔

(۷)   قرق امین: تکمیل کے بعد علامہ شبلی نے والد کی خوشی کے لئے جو کام کئے ان میں قرق امینی کی عارضی ملازمت بھی ہے۔علامہ نے چند ماہ اس کام میں بھی گذارے۔

(۸)   علامہ شبلی کے والد شیخ حبیب اللہ نے نیل اور شکر کی تجارت کے لئے جا بجا گودام بنا رکھے تھے۔علامہ شبلی کو ان کی دیکھ بھال اور ان کے حساب پر کچھ دنوں تک مامور کیا گیا تھا۔

(۹) علامہ شبلی کی قرق امینی کی وقتی ملازمت ختم ہونے کے بعد شیخ حبیب اللہ نے نیل کے گوداموں کی ذمہ داری سونپی تھی۔ علامہ شبلی اسے ناپسند کرتے اور بیگار سمجھتے تھے۔

(۱۰) **ایماضات:** سے مراد حافظ ملا شعیب حنفی کابلی باجوری کا رسالہ ''**الایماضات الی اغلاط مصنف الاسکات**'' ہے۔ یہ علامہ شبلی کے رسالہ ''**اسکات المعتدی علی انصات المقتدی**'' کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ (حیات شبلی ص ۱۶۲، طبع جدید)

(۱۱) حافظ صاحب: تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔

(۱۲) علامہ شبلی کے رسالہ ''**اسکات المعتدی علی انصات المقتدی**'' کے جواب میں حافظ ملا شعیب حنفی کابلی باجور نے **الایماضات** کے نام سے جو رسالہ لکھا تھا اس کا جواب لکھنے کے عزم کا اظہار ہے۔

(۱۳) حافظ حبیب اللہ خاں: علامہ شبلی کے بچپن کے احباب میں تھے۔

(۱۴) مولوی عبدالاحد شمشاد لکھنوی [۱۸۷۰-۱۹۱۵ء] عالم دین اور ممتاز شاعر تھے۔ انہیں آسی غازی پوری سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ ان کا دیوان شائع ہو چکا ہے۔ مشہور مدرسہ چشمہ رحمت غازی پور میں عرصہ تک صدر مدرس رہے۔ بہت سے اشخاص نے ان سے فیض پایا۔ لکھنو میں پیدا ہوئے اور غازی پور میں وفات پائی۔ صحیح تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات معلوم نہ ہوسکی۔

(لالہ سری رام۔ خمخانہ جاوید حصہ پنجم ص ۴۲-۴۳)

(۱۵) قاضی محمد سلیم: علامہ شبلی کے ابتدائی دور کے احباب میں تھے اور غالباً موضع قاضی کی سرائے ضلع اعظم گڑھ کے باشندہ تھے۔ مزید تفصیلات دستیاب نہ ہوسکیں۔

(۱۶) ''کہ قاضی محمد سلیم مرد'' سے ان کی تاریخ وفات کے اعداد ۱۲۹۹ھ نکلتے ہیں۔

(۱۷) پھریہا: ضلع اعظم گڑھ کا ایک گاؤں جو نامور مفسر مولانا حمید الدین کا وطن اور علامہ شبلی کا نانیہال ہے۔

(۱۸) تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔

(۱۹) مدرسے سے مراد مدرسہ حنفیہ امام بخش جون پور ہے۔

(۲۰) مولانا مفتی محمد یوسف صاحب فرنگی محلی [م:۱۲۸۶ھ] مفتی محمد اصغر بن مفتی احمد ابوالرحم صاحب فرنگی محلی کے صاحبزادہ اور جانشین تھے۔ تفصیل کے لئے دیکھیں ''تذکرہ علمائے فرنگی محل''

(۲۱) مولوی لطیف الرحمٰن: بنگال کے رہنے والے تھے انہیں مدرسہ حنفیہ امام بخش جون پور میں مولانا مفتی محمد یوسف کی جگہ مدرس اول مقرر کیا گیا تھا جو علامہ شبلی کو پسند نہیں آیا۔

(۲۲) عبدالعزیز: تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔

(۲۳) محمد: شیخ حبیب اللہ نے ایک نکاح غیر کفو میں تھا، ان سے ایک بیٹے تھے جن کا نام محمد تھا۔ غالبًا یہ وہی محمد ہیں۔ یہ بھی بڑے ذہین اور لائق تھے۔ ڈپٹی کلکٹر کے عہدہ پر تقرری کا جس دن پروانہ آیا اسی دن چند گھنٹہ قبل معمولی بیماری میں جان جان آفریں کے سپرد کی۔

(۲۴) محمد عظیم: غالبًا علامہ شبلی کے عزیز اور موضع املو (مبارک پور) کے رہنے والے تھے۔

(۲۵) موضع املو: قصبہ مبارک پور سے متصل ایک گاؤں ہے۔ جہاں متعدد اہل علم وکمال و دانش پیدا ہوئے۔

(۲۶) عبدالمجید، عبدالحلیم، عبدالرحیم: یہ سب نیشنل اسکول اعظم گڑھ کے طالب علم تھے۔ مزید تفصیلات معلوم نہ ہوسکیں۔

مکتوب الیہ: ۷

مولوی محمد سمیع صاحب

مولوی محمد سمیع صاحب علامہ شبلی کے ابتدائی دور کے احباب میں تھے۔موضع کنورہ گھنی ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے۔رواج زمانہ کے مطابق عربی وفارسی پڑھی اور جون پور ججی میں محافظ دفتر مقرر ہوئے۔سبکدوشی کے بعد الہ آباد چلے گئے تھے اور وہیں وفات پائی۔ان کی اولاد اب بھی الہ آباد میں آباد ہے۔

ان کے پاس علامہ شبلی کا ابتدائی دور کا کلام اور خطوط وغیرہ محفوظ تھے۔ان کی تدوین کے وقت یہ سرمایہ انہوں نے مولانا سید سلیمان ندوی کے حوالہ کیا تھا۔

علامہ شبلی کا دوسرا نکاح مولوی محمد سمیع کی ماموں زاد بہن سے ہوا تھا جو اعظم گڑھ کے ایک موضع خاص ڈیہہ کی رہنے والی تھیں۔انہی کے انتقال کے موقع پر مولانا ابوالکلام آزاد [۱۸۸۸-۱۹۵۸ء] اچانک بندول پہنچے تھے۔اور جنازہ میں شرکت کی تھی۔

مولوی محمد سمیع علامہ شبلی کے قائم کردہ نیشنل اسکول اعظم گڑھ اور مجلس موازنہ ترقی قومی کے ایک اہم ذمہ دار تھے۔ان کے بیٹے مختار احمد تھے جو الہ آباد ہائی کورٹ میں وکالت کرتے تھے۔ان کی تاریخ پیدائش اور وفات معلوم نہ ہوسکی۔مکاتیب شبلی کے بعض خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولوی محمد سمیع شعر وادب کے بڑے اداشناس تھے اور خاص طور پر

علامہ شبلی کی شاعری کے بڑے مداحوں اور قدر دانوں میں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے علامہ شبلی کے کلام اور خطوط وغیرہ کو محفوظ رکھا۔

ان کے نام علامہ شبلی کے ۵۷ رخطوط مکاتیب شبلی میں اور دو خطوط مکتوبات شبلی میں شامل ہیں۔ ان سب سے علامہ شبلی سے ان کی قربت کا اندازہ ہوتا ہے۔

مکتوب نمبر: ۲۰

حیاک اللہ، زندہ باشی وجان من باشی

غریب تر حالیست منکہ از آشفتہ سری شوریدہ مزاجی تن بآمیزش کس نمی دادم، اکنوں از فرخی طالع و ہمایونی بخت کارم بخار وخس افتادہ است، مگر من وخدائے من کہ ایں ہمہ محنت پژوہی ونفس گدازی از آں دوست تر دارم کہ تر ہاتی چند درہم بافند و دروغ راست مانا را پیش کسان جلوہ ظہور وفرغ قبول دہند، نفسے چند کہ از پیش گاہ ایزد دانا ودیعت آوردہ ایم سزائے آنست کہ سر رشتہ اش بایں چنیں کار ہا بند باشد، دیگراں ندانم تا در سر چہ دارند من خود دریں خیال از کشمکش وآویزش فکر فارغ نشستہ ام کہ باینہمہ خوار یہا ہمان شبلی ام کہ بودہ ام واگر گاہے بختم یاوری کرد، ہماں خواہم بود کہ ہم ودر کار امانت روز از شب نشنا ختم وددر راہ طلب از غایت جدوجہد تاب وتواں در باختم، وہر چند کہ دریں راہ پر خطر دواسپہ تاختم وددر آنجا ایں کار بہر کس و ناکس ساختم، مگر با اینہمہ بجائے نہ رسیدم وخواست و ناخواست پائے ارادت در دامن قناعت کشیدم، فرمان تقرر ہم بمن ندادند تا بہ سند کار گزاری چہ رسید، استغفر اللہ سخن از کجا تا کجا کشید، خیرہ سری از جادۂ شکیبائیم بر کراں برد، سخن کوتاہ می کنم۔

شبلی نعمانی

اعظم گڑھ، ۲۵ راگست ۱۸۸۲ء

ترجمہ:

حیاک اللہ، زندہ باشی وجانِ من باشی

مَیں کہ آشفتہ سری اور شوریدہ مزاجی کے باعث کسی سے ملنے کو تیار نہ ہوتا تھا، اب میری خوش طالعی اور خوش بختی سے معاملہ خس وخاشاک سے آن پڑا ہے؛ مگر خدا جانتا ہے کہ اس زحمت اور نفس گدازی کو اس پر ترجیح دیتا ہوں کہ جھوٹی کہانیاں گھڑ کے انھیں سچ کی طرح پیش کروں۔(۱) وہ چند سانسیں جو بارگاہِ ایزدی سے مجھے ودیعت ہوئی ہیں، یہ انھی کی سزا ہے کہ اس قسم کے کام کرنے پڑ رہے ہیں۔ نہیں معلوم کہ دوسرے میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ البتہ مَیں خود دیکھو ہوں۔ اگر کبھی بخت نے یاوری کی تو (اِن شاءاللہ) پھر وہی بن کر دِکھاؤں گا، جو تھا۔ امینی کے دَوران مَیں نے دِن رات ایک کر دیا اور سخت مشقت سے کام لیا۔ ہر چند مَیں نے اس کام میں بہت عرق ریزی کی اور اس میں مجھے ہر کس و ناکس سے تعلق بھی رکھنا پڑا، مگر بایں ہمہ کوئی نتیجہ نہیں نکلا اور خواہی نخواہی اس سے دستبردار ہونا پڑا(۲)۔ مجھے تقرر نامہ ہی نہیں دیا گیا۔ ایسے میں سندِ کارگزاری کا کیا ذکر! استغفراللہ! بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ میری خیرہ سری جادۂ راہِ صبر سے دُور لے گئی۔ بات یہیں ختم کرتا ہوں۔

شبلی نعمانی

اعظم گڑھ۔ ۲۵/اگست ۱۸۸۲ء

مکتوب نمبر:۲۱

برادر عزیز رئیس بن الرئیس مولوی محمد سمیع نقل نویس

السلام علیک، برخوردار عبدالغفار داعی اجل لبیک گفت وعزیزان خود را داغ حسرت

بردل گزاشت، مراہم دریں غصہ جگر خون شد و دل بہم برآمدہ، مگر چون از قضائے ایزدی چارہ نیست دل در بند الم نباید داشت، فردا تعطیل است، اگر برسم تعزیت دریں جا آمدن خواہی ہم یوم الخمیس بیائی و جناب عم مکرم شیخ عجیب اللہ صاحب را تپ گرفتہ است، و در تمام اعضا دردمی باشد، عزیزی علی احمد را ازیں خبر آگاہ خواہی کرد۔ والسلام

شبلی

۱۴؍ اکتوبر ۱۸۸۲ء

ترجمہ:

برادرِ عزیز رئیس بن الرئیس مولوی محمد سمیع نقول نویس

السلام علیکم۔

برخوردار عبدالغفار (۳) نے داعیِ اجل کو لبیک کہا اور دوستوں کے دِلوں پر داغِ جدائی چھوڑ گیا۔ اس غم سے کلیجا منہ کو آتا ہے اور دل سنبھالے نہیں سنبھلتا، مگر حکم الٰہی کے سامنے کوئی چارہ نہیں۔ ہلکان نہیں ہونا چاہیے، کل تعطیل ہے؛ اگر تم تعزیت کے لیے یہاں آنا چاہتے ہو تو جمعرات کو آؤ۔

محترم چچا جان شیخ عجیب اللہ صاحب بخار میں مبتلا ہیں اور بند بند میں درد محسوس کرتے ہیں۔ عزیزی علی احمد (۴) کو بھی اس واقعہ سے آگاہ کر دینا۔ والسلام

شبلی

۱۴؍ اکتوبر ۱۸۸۲ء

مکتوب نمبر: ۲۲

چناں زجور عزیزان مرا جگر خستست

کہ بہر چارہ غم پیش دشمناں رفتم
چہ سود نرد دغا باختن بہم چو منے
کہ خود ز دست جفائے فلک ز جان رفتم

عزیز دلبند من!

حیاک اللہ، نامہ کہ پیش ازیں بال روانی کشادہ است سرتا پا حدیث غم بود، وندانی کہ آں ہمہ خونریزی نفس گرمِ ہنگامہ فریاد، از دست بیداد سپہر کج نہاد بوداست، بدقسمتی نگر کہ ہر کس از دست عدو بفغان آید و من از تطاول یار بدخو بجان آمدہ ام، خود انصاف دہ کہ چو عزیزان را شیوہ جز طریق دغا پیمودن نہ باشد دریں دیرخراب، زندہ بودن وساعتے بر بستر راحت خوش غنودن، چگونہ امکان دارد، حادثہ تازہ دل و دیدہ ام خون کردہ است و ہیچ کس نیست کہ در دل بدو گفتہ آید، آوخ کہ از سادہ دلی بنا کسے سرداد داشتم کہ مرا بہ لابہ فریفت و دغا ورزید، با من عہد وفا بست وخود ازمن برید، حیف کہ بے ہودہ ایں غم سرودم، اونچہ با تو گفتنی بود فراموش کردم، سخن این است کہ دریں جارسی و من نہ باشم بہ بندول آئی و تغافل نہ نمائی کہ دوستی رانشاید وترانباید۔

الخاطی الشبلی النعمانی الجانی

ترجمہ:

چنان ز جور عزیزان مرا جگر خستست
کہ بہر چارۂ غم پیش دشمنان رفتم
چہ سود نرد دغا باختن بہ ہم چو منے
کہ خود ز دست جفاے فلک ز جان رفتم

عزیز دلبند من!

حیاک اللہ۔ اس سے پہلے جو خط بھیجا تھا، وہ سراسر حدیثِ غم پر مشتمل تھا۔ شاید

تمھیں معلوم نہیں کہ سب فلک کج رفتار کے مظالم کی فریاد تھی۔ ہر کسی کو دشمن سے تکلیف پہنچتی ہے، مگر بدقسمتی سے میری تکلیف کا سبب میرے بدخو دوست ہیں۔ انصاف کی کہنا، جب دوست ہی دغا دینے لگیں تو زندہ رہنا اور پل بھر کو آرام کرنا کسے نصیب ہوسکتا ہے؟ اس پر ایک تازہ حادثے نے تو میرے دِل کو چھلنی کر کے رکھ دیا۔ کوئی نہیں، جس سے دردِ دل کہا جاسکے۔ افسوس کہ اپنی سادہ دلی سے مَیں نے ایک ناکس سے انصاف کی امید کی، جس نے اپنی چرب زبانی سے مجھے فریفتہ کرلیا اور پھر دھوکا دیا۔

مَیں ناحق یہ غم سنانے بیٹھ گیا اور جو بات تم سے کہنا تھی، وہ بھول گیا؛ وہ یہ کہ تم یہاں آ ؤ تو شاید مَیں مل نہ سکوں، تم ہِندوَل ہی آ جاؤ۔ دیکھو، بھول نہ جانا کہ ایسا کرنا تم جیسے دوستوں کو زیب نہیں دیتا۔

الخاطی الشبلی النعمانی الجانی(۵)

مکتوب نمبر:۲۳

منم آں قطرہ کہ صد سینہ و دل کردم داغ
تا زنوک مژہ غلطیدہ بدامان رفتم

ایہاالسمیع!

نامہ ات رسید، اگر برمن و برحالم اشکے از دیدہ ریختی غمین مباش کہ مرا ہم دریں ماتم دل خون شد و ناخن غم جگر کاوی کرد و خار اندیشہ نشتر مغز جان فرو برد مگر چہ تواں کرد کہ سپہر مردم ناشناس است و مردمان خود نشناس اگر خود را ستودہ باشم ہرزہ خیالی و بالاخوانی خواہد بود مگر ازیں قدر نتواں گزشت کہ کس نشناخت، من کیستم و چہ فن دارم، خود انصاف دہ کہ جائیکہ گل از خار و نور از نار از مانشناسند و نقرہ ہیچ میرزی بے سر و پائے را با سبکراں دانش سگال بلند پایہ

برابر بہ نہند چگونہ تواں زیست نا بخر دی بیتی از غالب یاد گرفتہ و دیدہ نازک کردہ کہ من سخن گوئے آتش زبان ہستم دون پایہ پارۂ حدیثے برزبان راندہ وگرہ برابروزدہ کہ من محدث تحقیق نشان ہستم، آہ ازیں مشتے بہ اصل سخن نارسیدگان کہ ہیچ اند و بہمہ پیچیدہ وحیف ازیں پارہ درگراں خواب غفلت خفتگان کہ دون اند، دیگر دون پائگان درآویزند بارے عنان خامہ ازیں رہ می پیچم کہ فسانہ درازاست وشب کوتاہ اکنوں از حالات خویش برطراز وبرنوشتہ ام کاربند۔

نامہائے حضرت مولانا فیض الحسن پے در پے می رسند، جمہرۃ العرب از جناب مولوی محمد فاروق صاحب طلب دارو بمن بنویس۔

محمد عثمان را بر گوے کہ سبق از کسے گرفتہ باشد کہ دو سہ اسبوعے بمن رسیدن نتواں کتاب متنبر از حکیم حفیظ اللہ صاحب گرفتہ در کتب خانہ اش نہ، دیگر چہ نویسم ، بخدمت قبلہ و کعبہ حافظ حبیب اللہ خاں صاحب ومنشی خدا بخش صاحب وحافظ علی حسن صاحب وحضرت فخر ما مولوی محمد سلیم صاحب ودیگر بزرگان آداب وتسلیم، وبعزیزی محمد اسحٰق سلمہ سلام ودعا۔

دیگر آں کہ دوکان تھیکر کمپنی (کلکتہ) کہ عزیزی مہدی کتبہائے انگریزی وسلم الادب ازنزد او طلب داشت، نشانش از مہدی اگر درآنجا باشد وزنہ از ماسٹر صاحب یا مسٹر منوہر داس صاحب باانگریزی دریافت کردہ فوراً بخدمت عمومی مجیب اللہ صاحب در کلکتہ نوشتہ بفر یسند کہ عم موصوف رانشان کمپنی مذکور معلوم نیست۔

محمد شبلی نعمانی

ایں نامہ اگر بہ اغیار نرسد بہ خواہد بود کہ برمن خردہ خواہند گرفت و بر بالاخوانیم خندہ خواہند زد۔

ترجمہ:

منم آن قطرہ کہ صد سینہ و دل کردم داغ
تا ز نوکِ مژہ غلطیدہ بداماں رفتم

اے سمیع!

تمھارا خط پہنچا، اگر تُو مجھ پر اور میرے حال پر رویا تو غم نہ کرو، کیونکہ خود میرا دِل اس غم میں خون ہو گیا ہے۔ ناخنِ غم نے دِل کے ٹکڑے کر دیے اور خارِ اندیشہ نے مغزِ جاں کے لیے نشتر کا کام کیا؛ مگر کیا کِیا جائے کہ فلک مردم ناشناس ہے اور لوگ انسانیت سے عاری۔ اگر مَیں خود اپنی تعریف کروں تو یہ اپنے منہ میاں مٹھو بننے والی بات ہے، البتہ اتنا کہے بغیر چارہ نہیں کہ یہاں کوئی نہیں جانتا کہ مَیں کون ہوں اور کس ہُنر میں یکتا ہوں۔ خود انصاف کرو کہ جو لوگ خار اور پھول، نور اور نار کو برابر خیال کرتے ہیں اور سبک رَو اور کاہل گھوڑے کو برابر سمجھتے ہوں، ایسوں میں کیسے جیا جائے۔ (تا بخر دی بیتی از غالب یاد گرفتہ و دیدہ نازک کردہ کہ من سخن گوے آتش زبان ہستم دون پایہ پارۂ حدیثے برزبان راندہ وگرہ برابرو زدہ کہ من محدث تحقیق نشان ہستم۔)

ایک بے مایہ شخص حدیث کے چند الفاظ زبان سے ادا کرتا ہے اور ابرو پر گرہ ڈال کر دعویٰ کرتا ہے کہ وہ فنِ حدیث میں محقق کے درجے پر فائز ہے۔

حیف! ان لوگوں پر جو خوابِ غفلت میں مبتلا ہیں۔ یہ خود جھوٹے ہیں اور جھوٹوں سے اُلجھتے ہیں۔ اب اس معاملے سے قلم کو روکتا ہوں؛ داستان طولانی ہے، لیکن رات مختصر۔

اب کچھ حالات و واقعات کی طرف آتا ہوں اور کچھ اپنے بارے میں لکھتا ہوں۔

حضرت مولانا فیض الحسن (۶) کے خطوط پے در پے موصول ہوئے ہیں۔ کتاب جمہرۃ العرب (۷) جناب مولوی محمد فاروق صاحب (۸) سے لے کر مجھے مطلع کرو۔

محمد عثمان دو تین ہفتے تک میرے پاس نہیں آ سکے گا، اس لیے سبق کسی سے لے لیا کرے۔ کتاب متنبر حکیم حفیظ اللہ صاحب (۹) سے لے کر کتب خانے (۱۰) میں رکھ دو۔

مزید کیا لکھوں، بخدمت قبلہ و کعبہ حافظ حبیب اللہ خاں صاحب (۱۱)، منشی خدا بخش صاحب (۱۲)، حافظ علی حسن صاحب (۱۳)، باعثِ فخر حضرت مولوی محمد سلیم صاحب

(۱۴) اور دیگر بزرگوں کو آداب وتسلیم اور عزیزی محمد اسحاق کو سلام ودعا۔

تھیکر کمپنی (کلکتہ)، جس سے عزیزی مہدی نے سلم الادب (۱۵) ور انگریزی کتابیں منگوائی تھیں، اس کا پتا مہدی سے اور اگر وہ وہاں نہ ہو تو ماسٹر صاحب سے یا مسٹر منوہر داس (۱۶) سے انگریزی میں لکھوا کر فوراً چچا جان مجیب اللہ صاحب (۱۷) کو کلکتہ بھیج دو، کیونکہ چچا جان کو مذکورہ کمپنی کا پتا معلوم نہیں۔

محمد شبلی نعمانی (۱۸)

یہ خط اغیار کے ہاتھ نہ لگے، ورنہ حاشیہ آرائی کریں گے، آوازے کسیں گے اور زچ کرنے کی کوشش کریں گے۔

مکتوب نمبر: ۲۴

محمد سمیع!

نامہ ات رسید، تر ہاتی بیش نیست، اگر انجاح کار بر تعطیل موقوف است ہولی خود پیش آمدہ است، تو نہ سزائے آنی کہ کارے از دستت کشاید و من نہ درخور آنم کہ پیش محمد کالای راستیم را قدر و قیمت فزاید خدا بخش ہمان کس است کہ تسوید رسالہ ام کردہ بود و اکنوں کار تعلیم بسر ہمی برد، از عم مکرم شیخ مجیب اللہ عجب دارم، ایشاں صرف طبع اسکات المعتدی بذمہ خود گرفتہ بودند، اکنوں زر باقی حافظ حسرت صاحب ہم ادا نمی شود، و نسخ اسکات از عقب ہمی رود، و تو چگونہ بمن توانی رسید کہ در آنجا بند ہستی، ہمانا زجامہ گزاردن حلیلہ خویش پریشان خاطر گشتہ، غمین مباش کہ ایں بازی چرخ است، ع

یکے ہمی رود و دیگرے ہمی آید

و بخدمتے احباب و اعزہ تسلیم پذیر اباد۔ والسلام

محمد شبلی نعمانی

ترجمہ:

محمد سمیع!

تمھارا خط پہنچا، محض فضولیات کا پلندہ ہے۔ اگر کام تعطیل پر موقوف ہے تو ہولی قریب ہے۔ تم تو خود کسی کام کے نہیں اور جہاں تک میرا معاملہ ہے تو محمد (۱۹) کے سامنے میری سچائی کی پونجی بے معنی ہے۔ یہ خدا بخش وہی شخص ہے، جس نے میرے رسالے کی کتابت کی تھی اور اب تعلیم حاصل کر رہا ہے۔

عمِ مکرم شیخ مجیب اللہ کا معاملہ سخت تعجب انگیز ہے۔ انھوں نے اسکات المعتدی (۲۰) کی طباعت کی ذِمہ داری لی تھی، اَب صورتِ حال یہ ہے کہ حافظ حسرت (۲۱) کی بقایا رقم کی بھی ادائیگی نہیں ہوسکی، جب کہ اسکات کے نسخے بھی پہنچنے والے ہیں۔

تم تو خود وہاں مصروف ہو، میرے پاس کیسے آسکتے ہو؟ بیوی کے انتقال سے تم پریشان ہوگئے ہو۔ غم نہ کرنا، یہ بھی قسمت کا کھیل ہے کہ ع:

یکے ہمی رود و دیگرے ہمے آید

دوستوں اور عزیزوں کی خدمت میں میرا سلام قبول ہو۔ والسلام

محمد شبلی نعمانی (۲۲)

مکتوب نمبر: ۲۵

عزیز دلبند من مولوی محمد سمیع سلمہ، السلام علیکم

چوں سر رشتۂ صبر از دست دادن و با بخت و سپہر ستیزہ بنیا دنہادن، سودے ندارد، و حاصلے نیارد، لب ازیں گفتگو ہا فرو بستہ ام، و دندان بدل فسردہ در پس زانوے شکیبائی

نشستہ ام، تا حال بر مکان ڈپٹی صاحب اقامت داشتم، اکنوں دو سہ روز یست کہ مکانے دلکش بکرایہ پنج روپیہ گرفتہ ام، ہر چند از مدرسہ بعدے تمام دارد، مگر چہ تواں کرد کہ از وقریب تر امکان نداشت، درۂ نادرہ وعرفی در درس است، در یںجا رزمیہ مرزا صائب بدست می افتد، مگر از دو ورق بیش نیست، امروز در کالج تعطیل است وموجبش آنکہ جناب سر سالار جنگ بہادر کہ ریاست حیدرآباد بہ یمن تربیتش در نظم ونسق از ہمہ ریاستہا سبق بردہ بود، دی روز آدینہ جان بجہان آفریں سپرد، حیف کہ کار ہائے ساختہ درہم گشت وریاست را روزے بپدید آمد، ہمراہیان بخیریت ہستند وبشما سلام می رسانند۔ والسلام

شبلی نعمانی

علی گڑھ

۱۰رفروری۱۸۸۳ء

ترجمہ:

عزیزِ دلبند من، مولوی محمد سمیع سلمہٗ، السلام علیکم

صبر کا دامن چھوڑنے اور آسمان سے جھگڑنے میں نہ کوئی فائدہ اور نہ اس کا کوئی حاصل، چنانچہ اس موضوع پر مَیں نے ہونٹ سی لیے، دل کو سمجھا لیا اور صبر کے گھٹنوں پر سر رکھ کر بیٹھ گیا۔

چند روز پہلے تک مَیں ڈپٹی صاحب (۲۳) کے گھر پر ہی تھا۔ ابھی دو تین روز ہوئے ایک بہت اچھا مکان پانچ روپے ماہانہ کرایے پر لے لیا ہے۔ مکان اگرچہ کالج (۲۴) سے کافی دُور ہے، مگر کیا جائے، اس سے قریب تر [مکان ملنے کا] کوئی امکان نہیں تھا۔

آج کل درۂ نادرہ (۲۵) اور [دیوانِ] عرفی کا درس دے رہا ہوں۔ یہاں مجھے میرزا صائب (۲۶) کا ایک رزمیہ ہاتھ لگا ہے، مگر افسوس کہ دو وَرق سے زیادہ نہیں۔

آج کالج میں تعطیل ہے، کیونکہ سر سالار جنگ بہادُر فوت ہو گئے ہیں (۲۷)، جن

کی تربیت کی برکت سے ریاست حیدرآباد نے نظم ونسق میں کئی اعتبار سے تمام ریاستوں پر سبقت حاصل کی۔افسوس کہ بجی سجائی محفل اجڑ گئی اورابتری کا شکار ہوگئی۔

یہاں سب دوست خیریت سے ہیں اورآپ کوسلام کہہ رہے ہیں۔

شبلی نعمانی

علی گڑھ

۱۰رفروری ۱۸۸۳ء

مکتوب نمبر:۲۶

عزیز دلبند مولوی محمد سمیع،حیاک اللہ

نامہ شمارسید ودل رابسوئے دیدہ کشید،چنانکہ نوشتہ عزیزان راچنداں کہ زمان فراق درازی می کشد،دل بہ شکیبائی می گراید ومراچنانکہ دانستہ روزے کہ پیش می آید،محنت وغم می فزاید،مگر چہ تواں کرد کہ کارہا در پیش است،وزمام اختیار نہ بدست خویش اینجا کہ آرمیدہ ام وایں مذلت برخویش پسندیدہ ندانم تا چرخ رادریں پردہ چہ نیرنگیہا است بالجملہ چوں ایں افسانہ درازاست،لب ازیں ہرزہ باید فروبست وباصل مدعا تواں پیوست نجدیان کہ درائے شورش آغاز نہادہ اند ہمہ حیرتم کہ والا برادر مولوی فقیراللہ صاحب چرابسرکار ایشاں نمی رسند، من انشاءاللہ در پایان ماہ مئی ۱۸۸۳ء درآنجا رسیدن توانم،رزمیہ صائب وقضاوقدر طالب آملی وقلی سلیم درقریب وقتے بشما می رسد،عبدالغفور وعثمان واسحٰق بخیر ہستند وبہ تعلیم انگریزی و فارسی وعربی مشغول وواجب التعمیل،بیاض فارسی من کہ چوں بیت المقدس برون سوابتر،و دروں سواازعذار خوبان ہم خوب تر است وسعی وجستجو پیدا کردہ بمن بفرست وزینہار کہ ایں کارراہرزہ انگاری،ودرانتثال ایں امر درنگ رواداری،دیگر سلام شوق،بگرامی خدمت احباب

باید گفت، چوں ایں نامہ ہم در کالج بہ تعطیل نوشتہ ام سخن بہ تفصیل نہ راندہ ام۔

والسلام

شبلی نعمانی

مدرسۃ العلوم۔۲۱؍فروری ۱۸۸۳ء

ترجمہ:

عزیزِ دلبند مولوی محمد سمیع

حیاک اللہ۔ تمھارا خط پہنچا، آنکھیں بھر آئیں۔ جیسا کہ تم نے لکھا ہے، جوں جوں زمانۂ فراق بڑھتا جاتا ہے، دل کو صبر آتا جاتا ہے۔ جہاں تک میرا معاملہ ہے، تم جانتے ہی ہو کہ جو دِن طلوع ہوتا ہے، درد و غم میں اضافے کا باعث بنتا ہے، لیکن کیا کِیا جا سکتا ہے کہ کام کئی ایک درپیش ہیں اور زمامِ اختیار میرے ہاتھ میں نہیں۔ مَیں جو یہاں ٹھہرا ہوا ہوں اور اس ذلت کو برداشت کر رہا ہوں، نہیں معلوم کہ قضا و قدر کو کیا منظور ہے (۲۸)۔ چونکہ یہ قصہ طویل ہے، اس لیے اس ہرزہ سرائی کے بجائے اب اصل بات کی طرف آتا ہوں کہ نجدیوں نے ہنگامہ کھڑا کر دیا ہے اور حیران ہوں کہ برادرِ مکرم مولوی فقیر اللہ صاحب نے بھی ان کا کچھ تدارک کیوں نہیں کیا۔

مَیں تو اِن شاء اللہ مئی ۱۸۸۳ء کے اواخر تک وہاں پہنچ سکوں گا، البتہ صائب کے رزمیہ، سلیم قلی (۲۹) اور طالب آملی (۳۰) کے قصائد جلد ہی تمہیں مل جائیں گے۔

عبدالغفور، عثمان اور اسحاق خیریت سے ہیں اور انگریزی و فارسی و عربی سیکھ رہے ہیں۔ میری فارسی بیاض جس کا ظاہر بیت المقدس کی طرح اَبتر اور اندرون کسی حسینہ کے رخساروں سے زیادہ دلکش ہے؛ پوری کوشش کر کے تلاش کرو اور اگر مل جائے تو فوراً مجھے بھیج دو۔ دیکھو اس کام کو معمولی نہ خیال کرنا اور اس میں تاخیر نہ کرنا۔

سب دوستوں کو میری طرف سے سلامِ شوق کہنا۔ چونکہ یہ خط کالج میں بیٹھا لکھ رہا

ہوں، اس لیے مفصل نہیں لکھ سکتا۔ والسلام

شبلی نعمانی

مدرستہ العلوم

۲۱رفروری ۱۸۸۳ء

مکتوب نمبر: ۲۷

شبلی خستہ زغربت بوطن می آید
یا مگر مرغ چمن سوئے چمن می آید

۲۴رمئی ۱۸۸۳ء از اینجانب رخت سفر می بندم و اگر خواستہ خدائیست تا ۲۷رمئی بعزیزان وطن می پیوندم در لکھنو نفسے چند آرمیدن خواہم، از عزیزان جز اسحٰق و نصیر ہمپائے من اند، نیرنگ خیال بنظر درآمد و عجب نیست کہ از بہر شاہد یہ آرم، کتابے بدان ارزش نیست مولوی محمد حسین آزاد، درآب حیات چیزے افزودہ اند، ودیگر نطیع درو ادہ دریں نسخہ نو پارہ از حالات مرزا دبیرؔ و انیسؔ و میر حسنؔ و مومنؔ خان تواں یافت، دریں جا طرح مشاعرہ انداختہ اند، بہ تقاضائے احباب غزلے گفتہ آمد کہ با خویشتن خواہم آورد، دریں نزد یکے از ہجوم کار بدوستان نامہ نوشتن نتوانستہ ام، اینک خود می رسم کہ عذر تقصیر خواہم۔

شبلی نعمانی

۲۰رمئی ۱۸۸۳ء

ترجمہ:

شبلیِ خستہ ز غربت بوطن مے آید
یا مگر مرغِ چمن سوے چمن مے آید

مَیں ۲۴رمئی ۱۸۸۳ءکو یہاں سے رختِ سفر باندھوں گا اور خدا نے چاہا تو ۲۷رمئی تک عزیزانِ وطن سے آن ملوں گا۔ کچھ دیر لکھنؤ میں رُکنا چاہتا ہوں، صرف اسحاق اور نصیر (۳۱) ہی میرے ساتھ ہوں گے۔

نیرنگِ خیال (۳۲) نظر نواز ہوئی ہے اور عجب نہیں کہ مَیں تمہارے لیے تحفتاً لیتا آؤں۔ کتاب کچھ ایسی خاص نہیں۔ مولوی محمد حسین آزاد (۳۳) نے آبِ حیات کی تازہ اشاعت میں کچھ اضافہ کیا ہے۔ نئی اشاعت میں میرزا دبیر، میر انیس، میر حسن اور مومن خاں مومن (۳۴) کے حالات بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

یہاں پر ایک مشاعرہ منعقد کیا جا رہا ہے، احباب کے اصرار پر ایک غزل ہو گئی ہے، ساتھ لاؤں گا۔

گذشتہ دِنوں کثرتِ کار کی وجہ سے دوستوں کو خط نہ لکھ سکا، اس تقصیر کی عذر خواہی کے لیے خود ہی پہنچ رہا ہوں۔

شبلی نعمانی

۲۰رمئی ۱۸۸۳ء

مکتوب نمبر: ۲۸

محمد سمیع، بایں ناتوانی کہ خامہ بدست گرفتن نیارم، از عہدہ نگارش کہ کراں تا کران است، چگونہ بدر توانم آمد، نامہامی فرستم و پاسخے نمی رسد بیش از یںمہ ماہ است وتپ است از آویزش باز نہ نہادہ در تلاش ایف، اے، فراوان کوششہا می رود

ع   نادر میانہ خواستہ کردگار چیست

با عبدالغفور بگوئید کہ در مڈل عربی را پذیرانداشتہ اند، فارسی باید آموخت، نمونہ کہ می

رسد از جنس او دو طاقہ سنگی گرفتہ بزودی، تمام فرستادن دارد، قیمت پس از رسیدن بفور خواہد رسید واگر صرف ڈاک زیادہ نباشد طریق ویلو پی ایبل ہم اختیار تواں کرد، چندہ ششماہی عن قریب می فرستم از نامہ عبدالغفور پیدا شد کہ در نیشنل اسکول سہ چہار متعلمان نو داخل شدہ اند، از نام ونسب ایشاں بمن باز باید نوشت۔ والسلام

شبلی

۱۶ ستمبر ۱۸۸۴ء

ترجمہ:

محمد سمیع!

کمزوری اتنی ہے کہ قلم پکڑنا بھی محال ہے، ایسے میں لکھنے کا حق جو کراں تا بکراں ہے، کیسے ادا ہوسکتا ہے! خط پر خط لکھے، لیکن جواب سے محروم رہا۔ پندرہ دِن ہو چکے، بخار ہے کہ ٹوٹنے کا نام نہیں لیتا۔

ایف اے [کے نصاب] کی تلاش میں بڑی کوشش کی ہے......تا درمیانہ خواستۂ کردگار چیست

عبدالغفور سے کہنا کہ مڈل کی سطح پر تدریسِ عربی کی منظوری نہیں مل سکی، لہٰذا فارسی سیکھنی چاہیے۔ جو نمونہ جا رہا ہے، ویسا ہی ایک سنگی دو طاقہ حاصل کر کے جلد از جلد بھیج دیا جائے، پہنچتے ہی قیمت بھیج دی جائے گی۔ اگر ڈاک خرچ زیادہ نہ ہو تو ویلیو ایبل کا طریقہ اختیار کیا جائے۔

میں اپنا ششماہی چندہ جلد بھیج دوں گا۔ عبدالغفور کے خط سے پتا چلا ہے کہ نیشنل اسکول (۳۵) میں تین چار نئے طلبہ نے داخلہ لیا ہے، اُن کے نام ونسب بھی مجھے لکھ بھیجو۔

والسلام

شبلی

۱۶؍ستمبر۱۸۸۴ء

مکتوب نمبر:۲۹

عزیزی!

حامد بہ سادگیہائے خود کہ دروغ راست مانا بود، مرا فریفت چندانکہ گاہے خوے دروش اورا بہ نگاہ ژرف نگریستن نہ خواستم، دریں نزدیکی یکبار پردہ ازمیان برخاست و پیدا شد کہ ایں تیرہ بخت بدترین جوانان ایں ناکس کار ازاندازہ گزارندہ بود، ہیچ نہ گفتم و دندان بدل افشردم۔

طبیب جونپور اگر در چارہ گری ایں رنجوری دستگاہ خاص داشتہ خوب ست ورنہ مرا آگاہی دہید کہ چارہ دیگر اندیشم۔

اگر چہ مرا پیوند مہر با حامد یکبارہ گسستہ شد و نمی خواہم کہ دیگر اورا نزد خویشتن خوانم اما ایں قدر ہست کہ چوں دو خانہ راہمیں یک چراغ است از سر چارہ گری نتواں گزاشت، اندازہ باید کرد کہ آں تیرہ درون آیا از کردۂ خویش پشیمانی دارد یا شوخ تر و خیرہ تر گشتہ است، من ہم رنجور ہستم و اکنوں بہ اطبائے لکھنو روئے آوردہ ام۔ والسلام

شبلی نعمانی

مکان خواجہ عزیز الدین صاحب لکھنو

۱۸؍اگست ۱۸۹۸ء

ترجمہ:

عزیزی!

حامد(۳۶) نے اپنی مبنی بر دروغ سادگی سے مجھے یوں فریفتہ کیا کہ مَیں نے اس کی

عادات کا کبھی بغور جائزہ ہی نہیں لیا، لیکن اس دَوران میں حالات سے یک بارگی پردہ اُٹھ گیا تو اندازہ ہوا کہ اس تیرہ بخت بدترین نوجوان نے حدیں پار کر لیں ہیں؛ تاہم مَیں چپ رہا اور ضبط کر گیا۔ (۳۷)

جونپور کے طبیب اس مرض کے علاج میں مہارت رکھتے ہیں تو بہت خوب، ورنہ مجھے اطلاع دو تا کہ مَیں کوئی تدبیر سوچوں۔

اگر چہ حامد سے میرا محبت کا رشتہ بالکل منقطع ہو گیا ہے اور مَیں اسے اپنے پاس بلانا بھی نہیں چاہتا، لیکن چونکہ دونوں گھروں کا یہی ایک چراغ ہے، اس لیے علاج معالجہ ضروری ہے؛ تاہم معلوم کرنا چاہیے کہ وہ بد بخت اپنے کیے پر پشیمان ہے یا مزید شوخ اور خیرہ سر ہو گیا ہے۔

بیمار ہوں اور لکھنؤ کے اطبا سے علاج کروا رہا ہوں۔ والسلام

شبلی نعمانی

مکان خواجہ عزیز الدین صاحب (۳۸)

لکھنؤ۔ ۱۸/اگست ۱۸۹۸ء

مکتوب نمبر: ۳۰

عزیزی، از واژگونی بختم حامد بہ بیماری سخت گرفتار شد، چوں جز از شما کسے مرا مایہ اعتبار و محرم اسرار نیست نزد شما می فرستم، بہر طورے کہ توانید بہ علاجش کوشید، در مصارف دوا و پیشکش اطبا ہر قدر کہ مبلغ کہ بکار آید از من خواستہ باشید کہ بفوری فریسم، افسوس! افسوس!

شبلی

ندوۃ العلما کانپور

ترجمہ:

عزیزی!

بدقسمتی سے حامد شدید بیمار ہو گیا ہے۔ چونکہ تمھارے سوا مجھے نہ کسی پر اعتبار ہے اور نہ کوئی میرا محرمِ اَسرار، اس لیے اسے تمھارے پاس بھیج رہا ہوں۔ جس قدر تمھارے بس میں ہے، اس کے علاج میں تگ ودَو کرو۔ دوا کے مصارف اور اطبا کے حوالے سے جو کچھ خرچ آئے، مجھ سے طلب کیا جائے۔ افسوس، افسوس۔

شبلی

ندوۃ العلما، کانپور (۳۹)

تعلیقات وحواشی

(۱) یعنی وکالت۔ (مولانا سید سلیمان ندوی)

(۲) علامہ شبلی نعمانی نے بقول مولانا سید سلیمان ندوی دو ماہ تک امینی کی تھی۔ چونکہ طبیعت کو اس قسم کے کاموں سے مناسبت نہ تھی، پریشان حال تھے۔ (مکاتیب شبلی ح۲ص۲۱۷)

(۳) عبدالغفار: علامہ شبلی کے خاندانی بھتیجے تھے۔ ان کے والد کا نام محمد ابراہیم تھا۔ کم عمری میں ۱۸۸۲ء میں وفات پائی۔ علامہ شبلی نے ان کی وفات پر اس خط میں بڑے دکھ اور گہرے رنج وغم کا اظہار کیا ہے۔

(۴) حافظ علی احمد: شیخ عجیب اللہ کے صاحب زادے اور علامہ شبلی کے چچازاد بھائی تھے۔ یہ حافظ قرآن تھے اور گھر پر رہ کر زمینداری کی دیکھ بھال کرتے تھے۔ ان کے ذمہ بندول اور دیوا بندول کی زمینداری تھی۔ سر اقبال احمد سابق چیف جسٹس الہ آباد ہائی کورٹ انہی کے صاحبزادے تھے۔ سنہ ولادت ووفات معلوم نہ ہو سکے۔

(۵) الجانی:

(۶) شیخ الادب مولانا فیض الحسن سہارن پوری [م: ۶ر فروری ۱۸۸۷ء] علامہ شبلی نعمانی کے استاذ تھے۔ ان سے علم وادب کی تحصیل کے لئے انہوں نے لاہور کا سفر کیا۔ اورینٹل کالج لاہور میں پڑھنے کا وقت نہیں ملا تو گھر سے کالج کی راہ ان کی درس گاہ قرار پائی۔ بلاشبہ علامہ شبلی نے ان سے محنت اور مشقت سے تعلیم حاصل کی اور یہ بھی شبہہ سے بالاتر ہے کہ استاذ نے بھی انتہائی محبت سے پڑھایا۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ شبلی کو اپنے اساتذہ میں ان سے بڑی عقیدت تھی۔ ان کے انتقال کی خبر علی گڑھ عین درس میں ملی تھی۔ چنانچہ علامہ شبلی بے حد رنجیدہ ہو گئے اور درس موقوف کر دیا اور اسی عالم رنجیدگی میں ان کا مرثیہ لکھا جو درد واثر میں ڈوبا ہوا ہے۔ یہ مرثیہ فارسی کلیات میں شامل ہے۔ اس کا ایک بند ملاحظہ ہو:

دریں آشوب غم عذرم بنہ گر نالہ زن گریم جہانے را جگر خوں شد ہمی تنہا نہ من گریم
بہ تحسین صبوری چند بہ فریبے مرا ناصح دمے بگذار تا در ماتم فیض الحسن گریم
بہ مرگش علم وفن در نالہ ہا من ہم نوا باشد ہنر بر خویشتن گرید چو من بر خویشتن گریم
گہے بے خود بہ برہم گشتن کار ہنر نالم گہے بے خویش بر روز سیاہ علم وفن گریم

(کلیات شبلی فارسی ص: ۳۸، ۳۹)

(۷) جمہرۃ العرب: مشہور مجموعہ قصائد

(۸) علامہ شبلی کے استاذ مولانا محمد فاروق چریا کوٹی۔

(۹) حکیم حفیظ اللہ: تفصیل معلوم نہ ہو سکی۔

(۱۰) کتب خانہ: جس زمانہ کا یہ خط ہے اب تک یہ معلوم نہیں تھا کہ اس زمانہ میں علامہ شبلی کا اپنا ذاتی کتب خانہ تھا۔ اس خط سے پہلی بار معلوم ہوا کہ اس عہد میں بھی ان کا ذاتی کتب خانہ تھا۔

(۱۱) حافظ حبیب اللہ خاں: علامہ شبلی کے بچپن کے بے تکلف احباب میں سے تھے۔

(۱۲) منشی خدا بخش: غالباً یہ ان کے والد کے منشی تھے۔

(۱۳) حافظ حسن علی: مولانا سید سلیمان ندوی[۱۸۸۴-۱۹۵۳ء] کی صراحت کے مطابق یہ علامہ شبلی کے بچپن کے بے تکلف احباب میں تھے۔ مولوی محمد اسحاق وکیل اور مولوی محمد سمیع محافظ دفتر جونپور کے نام علی گڑھ سے جو خطوط علامہ شبلی نے لکھے ہیں، ان میں ان کا نام بکثرت آیا ہے اور اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کے انتہائی قریبی احباب میں تھے۔ علامہ شبلی کی مثنوی صبح امید شائع ہوئی تو جن لوگوں کو اس کے خریدنے کے لئے علامہ نے تاکیدی خط لکھا تھا، اس میں بھی حافظ حسن علی کا نام شامل ہے۔ اسی طرح سر سید نے علی گڑھ کے مشہور فوٹو گرافر سے تصویر بنوانے پر علامہ شبلی کو اکسایا اور خود دو تصویریں خریدنا بھی منظور کیا۔ بقیہ تصویروں کے خریدنے کے لئے علامہ شبلی نعمانی نے اعظم گڑھ اپنے احباب کو خط لکھا۔ اس فہرست میں بھی حافظ حسن علی کا نام موجود ہے۔ چوکی کی ضرورت ہوئی اور مولوی محمد سمیع کو خط لکھا تو بتایا کہ حافظ حسن علی نے ایک چوکی خریدی تھی، جواب چھاؤنی پر ہے۔ دوسری چوکی کا نظم کرو۔ لیکن ان باتوں کے سوا کوئی سوانحی تفصیل دستیاب نہیں کہ وہ کہاں کے رہنے والے تھے۔ مشغلہ کیا تھا۔ تعلیم کس قدر تھی اور کہاں وفات پائی وغیرہ۔

حافظ حسن علی نے علامہ شبلی نعمانی کو ایک نہایت عمدہ اور خوش خط مکتوب لکھا۔ جس پر علامہ شبلی نے ان کو منظوم دادی، جو ''کلیات شبلی'' میں شامل نہیں ہے۔ اسے معروف نقاد ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی صدر شعبہ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے اپنی کتاب ''شبلی کی علمی و ادبی خدمات'' میں ان کی بیاض سے نقل کیا ہے۔

اس مردم چشم مردمی نے
یعنی حافظ علی حسن علی نے

وہ نامہ لاجواب لکھا
عالم میں نہیں نظیر جس کی

تلاش وجستجو کے باوجود اس بیاض تک راقم کی رسائی نہ ہوسکی۔ علامہ شبلی کی نادر تحریروں کے مجموعہ ''نوادرات شبلی'' میں اسے شامل کر دیا ہے۔ (نوادرات شبلی ص: ۲۲۰)

(۱۴) مولوی محمد سلیم صاحب: علامہ شبلی کے احباب میں تھے اور موضع نندا ؤں کے رہنے والے تھے۔ ان کے بارے میں مزید معلومات نہ مل سکیں۔

(۱۵) سلم الادب از کریم الدین، مطبوعہ ۱۸۶۸ء

(۱۶) مسٹر منوہر داس: غالباً نیشنل اسکول اعظم گڑھ کے استاذ تھے۔

(۱۷) شیخ مجیب اللہ: علامہ شبلی کے چچا تھے۔ اسکات المعتدی کے اخراجات طباعت انہیں نے ادا کئے تھے۔ تعلیم یافتہ تھے۔

(۱۸) اس خط کی تاریخ تحریر معلوم نہ ہوسکی۔

(۱۹) محمد: علامہ شبلی کے بھائی جو دوسری غیر کفو والدہ کے بطن سے تھے۔

(۲۰) اسکات المعتدی علی انصات المقتدی: تفصیل کے لئے ملاحظہ آثار شبلی مطبوعہ دار المصنّفین اعظم گڑھ، ۲۰۱۳ء

(۲۱) حافظ حسرت: یہ غالباً مطبع نظامی کان پور کے مالک تھے۔

(۲۲) مشمولات سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ خط ۱۸۸۰ء میں لکھا گیا ہوگا۔

(۲۳) ڈپٹی صاحب سے مراد خان بہادر ڈپٹی محمد کریم ہیں، جن کا ذکر گذشتہ صفحات میں آچکا ہے۔

(۲۴) ایم اے او کالج علی گڑھ

(۲۵) درۂ نادرہ: میرزا مہدی خاں استرآبادی (م: ۱۷۵۹ء) کی تصنیف ہے۔ میرزا مہدی نادر شاہ [۱۷۳۶-۱۷۴۷ء] کے منشی ومورخ تھے۔

(۲۶) میرزا محمد علی صائب تبریزی اصفہانی [۱۶۰۱-۱۶۷۷ء] تبریز ایران میں پیدا ہوئے۔ پھر اصفہان چلے آئے۔ اسی لئے مورخین تبریزی اور اصفہانی دونوں نسبتیں لکھتے ہیں۔ اصفہان سے وہ ہندوستان آگئے اور برسوں اپنے دوست ظفر خان احسن گورنر کشمیر کے ساتھ دہلی اور کشمیر وغیرہ میں

مقیم رہے۔شاہ جہاں[۱۵۹۲-۱۶۶۶ء] کا عہد تھا۔اس نے مستعد خاں کا خطاب دیا۔ان کے والد۶۷رسال کی عمر میں انہیں ایران واپس لے جانے کے لئے ہندوستان آئے۔نہ چاہتے ہوئے بھی احباب نے اجازت دیدی اور وہ واپس ایران چلے گئے۔شاہ جہاں نے زادراہ کے طور پر ایک بڑی رقم بطور تحفہ پیش کی۔ایران میں شاہ عباس ثانی صفوی[۱۶۳۲-۱۶۶۶ء] کے دربار میں ملک الشعراء منتخب ہوئے۔

مرزا صائب کی شاعری نے بڑی مقبولیت پائی۔علامہ شبلی نے ''شعرالعجم'' میں ان کی شاعری پر مفصل نقد وتبصرہ لکھا ہے۔ان کا خیال ہے کہ ایرانی شاعری کا خاتمہ صائب پر ہوا۔گو شاعری کا سلسلہ ان کے بعد بھی قائم رہا،مگر صائب کے بعد میدان شاعری میں کوئی قابل ذکر اضافہ نہ ہوسکا۔علامہ شبلی صائب سے اس قدر متاثر ہیں کہ انہوں نے اپنی ایک غزل میں کہا ہے کہ شعروشاعری میں جو کام اصفہان ایران میں صائب نے انجام دیا،وہی میں نے ہندوستان میں انجام دیا ہے۔فرماتے ہیں:

ہماں کرد از سخن در ہند شبلی
کہ صائب در سواد اصفہاں کرد

صائب نے شعرا کے کلام کا ایک انتخاب مرتب کیا تھا۔علامہ شبلی نے اس کے انتخاب کی بھرپور داددی ہے اور لکھا ہے کہ ''جس شاعر کے جتنے اشعار انتخاب کردئے ہیں،وہی اس کے تمام دیوان کا عطر ہے۔''(شعرالعجم ج۳ص۱۶۵)

علامہ شبلی نے صائب کو تمثیل کا شاعر قرار دیا ہے اور اس وصف میں اسے بے نظیر بتایا ہے، اگر یہ اس کا وصف خاص ہے اور اس نقطہ نظر سے علامہ شبلی کی غزلیہ شاعری کا جائزہ لیا جائے تو ان کا قول درست ثابت نہ ہوگا۔(کلیات شبلی فارسی ص:۶۷)

(۲۷) سرسالار جنگ بہادر: سرسالار جنگ اول میر تراب علی خاں ۱۸۵۳ء میں محض ۲۴رسال کی عمر میں حکومت آصفیہ میں مدارالمہام کے عہدہ پر فائز ہوئے۔اور مدۃ العمر اس پر متمکن رہے۔

۱۸۸۳ء میں یعنی جس سال علامہ شبلی علی گڑھ کالج سے وابستہ ہوئے اسی سال موصوف نے وفات پائی ۔وہ کالج کے محسن اور خیر خواہوں میں تھے۔ چنانچہ ان کی وفات پر تعزیتی جلسہ منعقد ہوا۔ کار پردازان کالج نے اپنے اپنے طور پر دکھ کا اظہار کیا۔علامہ شبلی نے ان کے سانحہ وفات پر ایک مرثیہ کہا۔مرثیہ طویل ہے۔اس کا آغاز ان اشعار سے ہوا ہے:

آہ! ایں چہ غم بود کہ جہانے است نوحہ گر
ایں آہ چہ ماتم است کہ خوں شد دل وجگر

تنہا ہمیں نہ دولت و ملک است در خطر
ہم شرع را نماند کنوں معنی دگر

(آثار شبلی،ص ۴۴۵)

(۲۸) مولانا علی گڑھ کالج کی فارسی مدرسی کی خدمت سے بہ تشریح مولانا سید سلیمان ندوی خوش نہ تھے۔(مکاتیب شبلی ح۲ص ۲۲۱)

(۲۹) سلیم قلی کا مجموعہ قصائد

(۳۰) طالب آملی [۱۸۸۵-۱۶۲۷ء] مشہور فارسی شاعر اور قصیدہ گو۔یہ ایک ریاضی داں اور خطاط بھی تھا۔آمل ایران میں پیدا ہوا۔ایران کے مختلف شہروں کاشان،اصفہان،مشہد اور مرو میں قیام رہا۔۱۶۰۹ء میں قندھار ہوتے ہوئے لاہور اور پھر گجرات آکر بودوباش اختیار کی۔بعدازاں آگرہ پہنچے۔جہاں گیر تخت سلطنت پر متمکن تھا۔چنانچہ دربار سے وابستہ ہوئے اور مہارت فنی کی بنا پر ملک الشعرا کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔۴۲رسال کی عمر میں لاہور میں وفات پائی۔اور لاہور ہی کی خاک کے سپرد ہوئے۔مدفن ابتک موجود ہے۔

(۳۱) نصیر:نصیر احمد بندول ہی کے ایک بزرگ لعل محمد کے پڑپوتے اور محمد اسحاق وکیل کے ہم عمر تھے۔علامہ شبلی کے ساتھ رہ کر علی گڑھ میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔مزید کوئی تفصیل دستیاب

نہیں ہوسکی۔

(۳۲) نیرنگ خیال: مولوی محمد حسین آزاد کی مشہور کتاب جو دو حصوں پر مشتمل ہے۔

(۳۳) مولوی محمد حسین آزاد: اردو زبان وادب بالخصوص نثر کو جدید رنگ وآہنگ اور نیا اسلوب عطا کرنے والوں میں شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد [۱۸۳۰-۱۹۱۰ء] کا نام سرفہرست ہے۔ ہماری ادبی تاریخ میں ''آب حیات'' ان کا لازوال اور بے مثال کارنامہ ہے۔ان کی دوسری تصنیفات سخندان پارس وغیرہ کم قیمتی نہیں ہیں۔ علامہ شبلی کا ان سے رابطہ قائم ہوا مگر ان کی عمروں میں تفاوت تھا۔ان کا یہ دوسرا دور بھی تھا اور پھر وہ اسی عالم جنوں میں ۲۲رجنوری ۱۹۱۰ء کو عالم جاودانی کو سدھارے۔ لاہور کی خاک میں آسودہ ہیں۔ اس وقت علامہ شبلی ندوہ سے وابستہ تھے۔ان کے غم میں ندوہ بند کردیا گیا اور ایک تعزیتی جلسہ ہوا۔علامہ شبلی نے اس میں کہا کہ آج ''خدائے سخن'' مرگیا۔علامہ شبلی ان کے بڑے مداح تھے۔ان کی انشاپردازی کے بارے میں لکھا ہے کہ گپیں بھی ہانک دیتا ہے تو وحی معلوم ہوتی ہے۔

''کلیات شبلی'' فارسی میں ''بزم تعلیم'' کے عنوان سے ایک ترکیب بند شامل ہے۔اس میں ڈپٹی نذیر احمد [۱۸۳۶-۱۹۱۲ء] اور مولانا حالی [۱۸۳۷-۱۹۱۴ء] کے ساتھ ان کا بھی نام آیا ہے۔ (کلیات شبلی فارسی ص:۴)

(۳۴) اردو کے ممتاز اور معروف شعرا

(۳۵) نیشنل اسکول: علامہ شبلی یکم فروری ۱۸۸۳ء میں ایم اے او کالج علی گڑھ سے بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر وابستہ ہوئے۔اسی سال ۲۰رجون کو اعظم گڑھ شہر میں نیشنل اسکول کی بنیاد رکھی۔ اس کا مقصد باشندگان اعظم گڑھ کی تعلیمی ترقی تھا۔اس کی ترقی کے لئے انہوں نے بڑے جتن کئے۔اکثر اپنے پاس سے اساتذہ کی تنخواہوں کا نظم کرتے۔اور اپنے پورے خانوادے بالخصوص چھوٹے بھائی محمد اسحاق وکیل کو اس کی طرف متوجہ کرتے رہتے۔اور انہوں نے نیشنل اسکول کی ترقی کے لئے بہت کچھ کیا۔ جسے فراموش کردیا گیا۔

(۳۶) حامد حسن نعمانی [۱۸۸۰-۱۹۴۲ء] علامہ شبلی کے اکلوتے فرزند تھے۔ ۱۸۸۰ء میں بندول میں پیدا ہوئے۔ قاضی عبدالرحمٰن حیرت کی سرپرستی میں نیشنل اسکول اعظم گڑھ میں تعلیم حاصل کی۔ بعدازاں ۱۲/نومبر ۱۸۹۹ء کو ایم.اے.او. کالج علی گڑھ میں داخل ہوئے۔ ۱۹۰۲ء میں ایف.اے اور ۱۹۰۵ء میں تحصیل داری کا امتحان پاس کر کے تحصیل دار مقرر ہوئے۔ دیوگاؤں میں پہلا تقرر رہوا۔ بعدازاں جونپور اور ضلع بستی کی تحصیل ڈومریا گنج کی تحصیلوں میں تحصیل دار رہے۔ کچھ دن گورکھپور میں بھی تحصیلداری کی۔ حسن کارکارکردگی کی وجہ سے میڈل ملے۔ پولو کھیلنے کے بڑے شوقین تھے۔ گورکھپور میں ایک پولو گراؤنڈ ان سے منسوب تھا۔ ایک مرتبہ بڑا انعام حاصل کیا۔ اس زمانہ میں علامہ شبلی ندوہ کے معتمد تعلیم تھے۔ ایک محفل میں کسی نے ان کے انعام حاصل کرنے کا فخریہ ذکر کیا تو علامہ شبلی نعمانی نے کہا کہ یہ تعریف کسی نٹ کے بیٹے کی ہو سکتی ہے، شبلی کے بیٹے کی نہیں۔

[مولانا عبدالباری ندوی، سرگذشت ص ۱۵]

وہ عمر میں مولانا سید سلیمان ندوی سے دو تین سال بڑے تھے۔ باوجود اس کے انہیں بھائی صاحب کہا کرتے تھے اور ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔ اعزہ و اقربا کو دارالمصنّفین کے معاملات میں دخل دینے، حتی کہ وہاں جانے سے بھی منع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بھائی صاحب [سید صاحب] اس کے اصل وارث ہیں اور وہ ابا کی یادگار کو بہت ترقی دے رہے ہیں۔ خود سید صاحب انہیں بہت قریب رکھتے تھے۔ جب انہوں نے دفعتاً انتقال کیا تو سید صاحب بھی بے قرار ہوئے اور معارف میں ان کا ماتم کیا۔

حامد حسن نعمانی نے ۲۰/ مارچ ۱۹۴۲ء کو جون پور میں جہاں وہ کسی ذاتی کام سے گئے ہوئے تھے دفعتاً انتقال کیا۔ وہاں سے جنازہ اعظم گڑھ لایا گیا اور شبلی منزل میں علامہ شبلی کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ ان کے کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ پانچ بیٹیاں نسیم جہاں، شمیم جہاں، تحسین جہاں، محسنہ سلطانہ، مومنہ سلطانہ تھیں۔

(۳۷) حامد حسن نعمانی اکلوتے بلکہ اس وقت علامہ کے تمام بھائیوں میں یہی ایک نرینہ اولاد

تھے۔ بیجا لاڈ پیار نے بگاڑ ڈالا اور جب وہ بے قابو ہونے لگے تو قدغن لگی، لیکن وہ برسوں پریشان کرتے رہے۔ خط میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ ڈاکٹر خالد ندیم نے اس پر جو حاشیہ لکھا ہے وہ محل نظر ہے۔ یہ خط ۱۸۹۸ء کا ہے اور حامد حسن نعمانی کے مفرور ہونے کا قصہ اس کے بعد کا ہے۔

(۳۸) خواجہ عزیز الدین، عزیز لکھنوی [۱۸۳۷-۱۹۱۵ء] اردو وفارسی کے نہایت ممتاز اور باکمال شاعر تھے۔ خاص طور پر ان کی فارسی شاعری ہندوستان کے فارسی گوشعراء میں بڑی بلند رتبہ ہے۔ ۱۸۳۷ء [۱۲۵۳ھ] لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ کیننگ کالج لکھنؤ میں فارسی کے پروفیسر رہے۔ ۱۵؍جولائی ۱۹۱۵ء (۷؍رمضان ۱۳۳۳ھ بروز چہار شنبہ ۳ بجے) کو لکھنؤ میں وفات پائی۔

مثنوی ید بیضاء، قیصر نامہ، اورنگ حضوری، ہفت بند عزیزی ان کی یادگاریں ہیں۔ ان کے لائق فرزند حافظ خواجہ وصی الدین صاحب ڈپٹی کلکٹر لکھنؤ نے عزیز صاحب کے انتقال کے بعد ۱۹۳۱ء میں ''کلیات عزیز'' بڑے اہتمام سے شایع کیا۔

علامہ شبلی سے ان کے بڑے مخلصانہ اور گہرے مراسم تھے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ ''ندوہ کے قیام سے پہلے مولانا جب لکھنؤ جاتے، تو اکثر انہی کے یہاں قیام فرماتے تھے۔ قیام لکھنؤ کے زمانہ میں بھی بعض اوقات ان کے یہاں جا کر دن دن بھر رہتے تھے۔''

(حیات شبلی ص ۶۱۷)

(۳۹) ڈاکٹر خالد ندیم صاحب اس خط کی تاریخ متعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''چونکہ یہ خط پچھلے خط سے متصل معلوم ہوتا ہے اس لئے یہ [اگست] ۱۸۹۸ء کے کچھ بعد لکھا گیا ہوگا۔''

(اردو ترجمہ مکاتیب شبلی ص ۴۶)

مکتوب الیہ:۸

اکبر صاحب

اکبر صاحب بندول کے رہنے والے خانوادہ شبلی کے ایک فرد تھے۔مولانا سید سلیمان ندوی کے مطابق یہ علامہ شبلی کے شاگرد اس طرح تھے کہ ابتدائے زمانہ میں علامہ شبلی جن طلبہ کو پڑھاتے تھے ان میں ان کا نام بھی شامل ہے۔(حیات شبلی ص ۱۰۸)

مکتوب نمبر:۳۱

اکبر اے راحت جان و دل من!

از شبلی آشفتہ سلام و دعا، دل خوش دارید کہ زود بمامول خود می رسید، از ولی محمد و محمد عمر کہ دلبند من اند خجلت می برم کہ گویند چوں بہ سفر رفت از عہد و فا برگشت و پیمان بازی بشکست خدای راست می داند کہ مرا سرا خلاص ہمانست کہ بود مگر با تقدیر چوں ستیزم و با قضا چگونہ آویزم راز مہدی عزیز کیست او ہم از دور افتادگی قرین حصول کار نیست، اینجا نہ صورت قیام خوبست و نہ سامان طعام مرغوب، من بہر طور کہ می گزردمی گزارم، اگر اکبر رسد ہم شریک من خواہد شد، اللہم سہل لی امری، اے راحت دل اکبر از بہر نوید کہ نوشتہ در نثر باشد یا در نظم و نظم فارسی یا اردو، اگر اینجا آمدن خواہید نحو میر ہر قدر کہ خواندہ باشید یا خواہید خواند بیادش کوشید و ہم

چنیں فصول اکبری جونپور یا غازی پور رفتن کہ در دل داری از سادہ دلی است، استاد شفیق یافتن دریں حالت کہ از نحو بلکہ از صرف ہم فارغ نشستہ آید خیلے محال است، ہر جا یوسف و شبلی نتواں یافت، خدایا روزی نصیب کن کہ من و اکبر غمخوار ہم باشیم، آمین، والدعا۔

بہ منشی صاحب و برادر صاحب و حافظ حسن علی صاحب و حکیم صاحب و دیگر صاحبان تسلیم۔ دختر نصیر و سمیع را سلام و دعا۔

[شبلی نعمانی]

ترجمہ:

اکبر، اے راحتِ جان و دلِ من!

شبلی آشفتہ کا سلام و دعا۔

اطمینان رکھو، جلد ہی امید بر آئے گی۔ ولی محمد(۱) اور محمد عمر سے جو کہ مجھے بہت پیارے ہیں، بے حد شرمسار ہوں؛ وہ تو کہتے ہوں گے ایسا گیا کہ وعدے بھی بھول گیا۔ خدا جانتا ہے کہ میرے خلوص میں کوئی کمی نہیں ہوئی، مگر تقدیر سے کیا مقابلہ! مشیت کے سامنے کون دم مار سکتا ہے!

مجھے مہدی سے زیادہ کون عزیز ہو سکتا ہے، مگر وہ بھی دُوری کی وجہ سے کسی کام نہیں آ سکتا۔(۲) یہاں نہ رہائش کا اچھا انتظام ہے اور نہ خوراک کا، مَیں تو جیسے تیسے گزر بسر کر رہا ہوں۔ اگر اکبر یہاں آتا تو وہ بھی میرا شریک ہوتا۔ اللہ میرے لیے آسانیاں پیدا کر دے۔

اے راحتِ دل، اکبر! تُو نے جو نوید لکھنے کو دی ہے، وہ نثر میں ہو یا نظم میں اور پھر نظم فارسی میں ہو یا اردو میں؟ اگر یہاں [علی گڑھ] آنے کا خیال ہے تو نحو میر (۳) تم نے جتنی پڑھی ہے اور اُس وقت تک جتنی پڑھ چکو، از بر کر کے آنا اور اسی طرح فصولِ اکبری (۴) بھی۔ جون پور یا غازی پور جانے کا ارادہ مناسب نہیں ہے۔ آج کل شفیق استاد کا ملنا جو صرف اور نحو دونوں پڑھاتا ہو، بہت محال ہے۔ ہر جگہ تو یوسف و شبلی نہیں ملتے۔ خدایا! وہ دِن

دِکھا کہ مَیں اور اکبر ایک دوسرے کے غم بانٹ سکیں۔ آمین، الدعا۔

منشی صاحب، بھائی صاحب، حافظ حسن علی صاحب، حکیم صاحب اور دیگر صاحبان کو سلام۔ دخترِ نصیر اور سمیع کو سلام و دعا۔

[شبلی نعمانی]

تعلیقات و حواشی

(۱) ولی محمد: شجرہ بندول میں علامہ شبلی کے ہم عصروں میں ولی محمد ایک شخص کا نام ملتا ہے، مگر یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ وہی ولی محمد ہیں۔ کسی اور ذرائع سے بھی کچھ معلومات ہاتھ نہیں آئیں۔

(۲) یہ خط علی گڑھ کے زمانہ قیام اور ۱۸۸۵ء کے بعد کا معلوم ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں حافظ مہدی حسن [م: ۲۹ر جون ۱۸۹۷ء] بیرسٹری کے لئے لندن چلے گئے تھے۔ ڈاکٹر خالد ندیم کا یہ قیاس کہ وکالت اور قرق امینی کے زمانہ کا ہے صحیح نہیں، اس لئے کہ بستی میں وہ چار ماہ سے زیادہ نہیں رہے اور آتے جاتے رہے۔ محرری، امینی، شکر اور نیل کے گوداموں کی دیکھ بھال، یہ تمام مشغولیات اعظم گڑھ میں رہیں اور اس دوران شہر اعظم گڑھ کے آبائی مکان جسے شبلی ڈیرہ بھی کہا جاتا تھا، قیام رہا، یا پھر گاؤں بندول میں ٹھہرے، اس لئے مہدی حسن سے دوری کا سرے سے قصہ ہی اس زمانہ میں نہیں ہو سکتا۔

(۳) نحو میر: میر سید شریف جرجانی [۱۳۳۹-۱۴۱۴ء] کی مشہور کتاب ہے۔ درس نظامی میں پڑھائی جاتی ہے۔

(۴) فصول اکبری: علم صرف سے متعلق شیخ علی اکبر بن الحسینی کی مشہور فارسی تصنیف ہے، جو درس نظامی میں داخل ہے۔

مکتوب الیہ:۹

فرحت احمد

فرحت احمد کے بارے میں کسی قسم کی معلومات نہ مل سکیں۔حالانکہ وہ بقول ڈاکٹر خالد ندیم صاحب علامہ شبلی کے چچازاد بھائی تھے۔(۱) لیکن اس بات کی تصدیق کسی اور حوالہ سے نہیں ہوسکی۔راوت رضی احمد چودھری نے ''تاریخ بندول'' میں جوشجرہ نسب دیا ہے،اس سے بھی تصدیق نہیں ہوئی۔

علامہ شبلی سے ان کے منجھلے بھائی مہدی حسن بیرسٹر نے فرحت احمد کے بھتیجے کی پیدائش پر تاریخ کی فرمائش کی تھی۔چنانچہ علامہ شبلی نے ایک خط میں دوتاریخی قطعات لکھ کر بھیجے۔یہ تاریخی قطعات ''مکاتیب شبلی'' جلد اول [ص۴۷] میں درج ہیں۔اسے اس لئے یہاں نقل کیا گیا ہے تاکہ اس سے علامہ شبلی نعمانی کے تاریخی قطعات کہنے کا ایک پوشیدہ پہلو بھی سامنے آجائے گا۔

مرحبا مرحبا لمولود — کہ بود بادہ ایاغ کمال
باز در پیش گاہ بزم وجود — گشت روشن ازو چراغ کمال
مردم دیدہ ہنر فرحت — کہ تواں یافت زوسراغ کمال
سال تاریخ را چو امر نمود — گفت شبلی بہار باغ کمال (۲)

فرحت احمد کے نام مکاتیبِ شبلی میں علامہ شبلی کا ایک فارسی خط بھی شامل ہے۔اس سے ان کے احوال کی وضاحت تو نہیں ہوتی، لیکن قربت کا اندازہ ضرور ہوتا ہے۔

مکتوب نمبر:۳۲

مبارک، سپاس ایزد کہ برادرشما عزیزی مہدی حسن در ایف، اے کامیاب نشست اے خوش آنکہ علی گڑھ رسم وتو از پیش رسیدہ باشی و چوں از آمدنم آگہی اندوزشوی دوان سوئے من آئی واز جوش طرب حرف مبارک باد، برلبت گرہ گردد، لبے بہ تبسم واکنی و بآواز گوئی کہ بر ادرمہدی حسن فال ظفر بنام خود یافت وپس از اں دو سہ گامے تیز تر آئی و بمن درآویزی و گوئی کہ ہلہ ! ہاں! شیرمی کجاست و من گویم کہ درلب تو باز انجمنے از یاران فراہم آید و ہر یک گفتگو باز کند و گپے زند یارب ہمچنیں باد، بار دیگر مبارک باد۔

ایں نامہ رانزد خود نگاہ باید داشت۔

کمترین ہواخواہان
شبلی نعمانی

۲۳/ جون ۱۸۸۴ء

ترجمہ:

مبارک ہو

خدا کا شکر ہے کہ تمہارا چھوٹا بھائی مہدی حسن ایف اے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ جیسے ہی مَیں علی گڑھ پہنچتا، تم وہاں پہنچ چکے ہوتے۔ میری آمد کی خبر سنتے ہی دَوڑے چلے آتے۔ خوشی کے مارے تمہارے منہ سے بات نہ نکل رہی ہوتی۔ تمہارے دل کی حالت تمہارے تبسم سے ظاہر ہو رہی ہوتی اور پھر بے ساختہ تمہارے منہ سے نکلتا کہ

بھائی مہدی حسن پاس ہوگیا۔تم تیزی سے دو تین قدم آگے بڑھتے اور میرے سینے سے لگ جاتے اور پوچھتے کہ ہاں، [مہدی کے] پاس ہونے پر میری مٹھائی کہاں ہے؟ مَیں کہتا کہ تمھارے ہونٹوں پر۔ پھر دوستوں کی محفل آراستہ ہوتی اور خوب گپ شپ ہوتی۔ خدایا! ایسا ہی ہو۔ایک بار پھر مبارک باد۔

ایک بار پھر مبارک باد۔

این نامہ رانزدخود نگاہ باید داشت

تمھارا ایک ادنیٰ چاہنے والا
شبلی نعمانی

۲۳/جون ۱۸۸۴ء

تعلیقات وحواشی

(۱) ڈاکٹر خالد ندیم، اردو ترجمہ مکاتیب شبلی ص ۴۹

(۲) محمد الیاس الاعظمی، آثار شبلی ص ۴۵۳

مکتوب الیہ: ۱۰

ہز ہائینس آغا خان

سر آغا سلطان محمد شاہ معروف بہ آغا خاں ثالث [۱۸۷۷-۱۹۵۷ء] اسماعیلی بوہرہ اوران کے اڑتالیسویں امام تھے۔ یہ منصب انہیں اپنے والد کے انتقال کے بعد ۸/ سال کی عمر میں ملا تھا۔ ان کی والدہ ایرانی شہزادی تھیں۔

بوہرہ ہونے کے باوجود عام مسلمانوں کے بڑے بہی خواہ تھے۔ ان کا شمار ملک کے مدبر اور سنجیدہ اشخاص میں ہوتا تھا۔ حکومت برطانیہ نے انہیں ہز ہائی نس کا خطاب دیا تھا۔ ملکہ وکٹوریہ، قیصر جرمنی اور عثمانی خلیفہ سلطان عبدالحمید سے ان کے دوستانہ مراسم قائم تھے۔ علی گڑھ آئے تو سر سید نے ان کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا۔ ۱۹۰۲ء میں ایجوکیشنل کانفرنس دہلی کی صدارت انہی نے کی تھی، جس میں علامہ شبلی کو انجمن ترقی اردو کا پہلا سکریٹری نامزد کیا گیا تھا اور انہوں نے اس حوالہ سے بھی اردو زبان وادب کی بڑی خدمات انجام دیں۔ راقم نے حال ہی میں ''انجمن ترقی اردو میں علامہ شبلی کا حصہ'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے جو عنقریب شائع ہوگی۔

مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخاب، ایم اے، او، کالج علی گڑھ اور اردو زبان کے لئے جدوجہد سر آغاں خاں کے لائق ذکر کارنامے ہیں۔ علامہ شبلی سے بھی ان کے مراسم

تھے۔ انہی کی خواہش پر وہ ۳ر فروری ۱۹۱۰ءکوندوہ کے معائنہ کے لئے تشریف لائے تھے۔ مفید مشورے دئے اور ندوہ کے لئے سالانہ امداد بھی منظور کی۔ علامہ شبلی نے ان کی آمد پر ندوہ میں ایک نہایت شاندار جلسہ منعقد کیا تھا، جس میں عمائدین شہر بھی شریک ہوئے تھے۔ مگر ان کے ایک مضمون پر علامہ شبلی نعمانی نے اپنی شاعری میں ان پر سخت تنقید کی۔ دراصل ہوا یہ کہ جنگ بلقان کے زمانہ میں سر آغا خان نے ایک مضمون لکھ کر ترکوں کو یہ مشورہ دیا کہ وہ یورپ چھوڑ کر ایشیا میں جا بسیں تا کہ یورپ کے حملوں سے محفوظ رہیں۔ یہ بات مسلمانوں کو سخت ناگوار گذرنی تھی اور گذری۔ چنانچہ مسلمانوں نے بڑی ناگواری کا اظہار کیا۔ علامہ شبلی کو بھی ان کا یہ خیال ناروا معلوم ہوا۔ چنانچہ انہوں نے ایک نظم ''سر آغا خان کا خطاب ترکوں سے'' میں طنزیہ انداز میں ان کا جواب دیا۔ (کلیات شبلی اردو ص ۱۲۵)

علامہ شبلی کی یہ نظم ان کے فارسی کلیات میں شامل ہے۔ اس قطعہ کا عنوان ''خطاب سر آغا خان بترکان عثمانیہ'' ہے۔ دراصل یہ علامہ شبلی کی ترکوں سے محبت اور ان کی دینی حمیت کا ایک نمونہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ اسلام یا مسلمانوں پر کسی قسم کی تنقید برداشت ہی نہیں کر سکتے تھے۔

علامہ شبلی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی فاؤنڈیشن کمیٹی کے رکن تھے اور اس کے اجلاسوں میں شریک ہوتے تھے۔ اس کا ایک اجلاس لاہور میں سر آغا خان کی سربراہی میں منعقد ہوا تھا، جس میں علامہ شبلی نے بھی شرکت کی تھی۔ بعد ازاں انہوں نے ''مسلم یونیورسٹی'' کے عنوان سے ایک نظم کہی۔ اس میں اور باتوں کے ساتھ سر آغا خان کا بھی ذکر ہے، لیکن محض ذکر ہی ہے، کسی مناسبت کا اظہار نہیں۔ (کلیات شبلی فارسی ص: ۹۳، ۹۴)

آغا خان کی ترکوں سے ترک سکونت کی بات کہنا علامہ شبلی کو اس قدر ناگوار گذرا کہ انہوں نے اس کا کئی جگہ ذکر کیا۔ ایک اور نادر قطعہ جو کلیات شبلی میں شامل نہیں اور بعد میں دریافت ہوا اور وہ راقم کی کتاب ''نوادرات شبلی'' میں شامل ہے، یہاں نقل کیا جاتا ہے:

کھلا عقدہ نہ آغا خان کی اس شیوہ طرازی کا
بہت ہم عقل دوڑایا کئے ، ہر چند سر مارا
نظر آیا بالآخر ایک سیاح جہاں دیدہ
کہ حل کرد او زنیر و فراست ایں معما را
کہا اس نے صلاح ترک یورپ پر تعجب کیوں
مگر شاید نمی دانی تو قوم و ملک آغا را
یہ ایرانی جو ہیں عاشقان خانہ بر انداز
ہے ان کا قول یہ باوصف فقد شاہی دارا
''اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا
بخال ہندوش بخشم سمر قند و بخارا را''

(نوادرات شبلی ص:۲۲۱)

مکتوب نمبر:۳۳

بہ پیش گاہ بندگان عالی مرتبت، ابقاکم اللہ تعالیٰ

چنانچہ ارشاد رفتہ بود، ماہمہ ارکان ندوہ امیدوار ہستیم کہ خدام والا فردا یا پس فردا وقتے معین فرمایند کہ طلاب ندوہ قابلیت واستعداد خود را در پیش گاہ سامی عرضہ توانند داد۔

ارکان ندوہ و بزرگان شہر ہم شرف اندوز خدمت توانند شد۔

شبلی نعمانی

ترجمہ:

بخدمت جناب عالی مرتبت، ابقاکم اللہ تعالیٰ

آپ کے ارشاد کے مطابق جملہ ارکانِ ندوہ آپ کی تشریف آوری کے منتظر ہیں۔ کل یا پرسوں کا کوئی وقت متعین فرما دیجیے، تا کہ ندوہ کے طلبہ آپ کے سامنے اپنی قابلیت اور استعداد کا مظاہرہ کر سکیں۔ اس بہانے اراکینِ ندوہ اور عمائدینِ شہر بھی آپ کی زیارت سے مشرف ہو سکیں گے۔

شبلی نعمانی

کتابیات

کتب

- آثارِ شبلی۔محمد الیاس الاعظمی۔دارالمصنّفین اعظم گڑھ،۲۰۱۳ء
- اردو ترجمہ مکاتیبِ شبلی۔ڈاکٹر خالد ندیم۔دارالمصنّفین اعظم گڑھ،۲۰۱۵ء
- اسکات المعتدی علی انصات المقتدی۔علامہ شبلی نعمانی،نظامی پریس کانپور،۱۲۹۸ھ
- تاریخ اعظم گڑھ۔شاہ افضال اللہ قادری،مرتبہ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی،ادبی دائرہ اعظم گڑھ،۲۰۱۰ء
- تذکرہ علمائے مبارک پور۔مولانا قاضی اطہر مبارک پوری،مکتبہ الفہیم مئو،۲۰۱۰ء
- حیاتِ شبلی۔مولانا سید سلیمان ندوی،دارالمصنّفین اعظم گڑھ،۲۰۱۵ء
- خطوطِ شبلی۔مرتبہ منشی امین زبیری،ظل السلطان بک ایجنسی بھوپال
- خطوطِ شبلی بنام آزاد،سید محمد حسنین،بہار اردو اکادمی پٹنہ،۱۹۸۸ء
- خمخانہ جاوید حصہ پنجم۔لالہ سری رام،منشی نول کشور،۱۹۴۰ء
- ذکر فراہی۔ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی،دائرہ حمیدیہ سرائے میر اعظم گڑھ،۲۰۰۱ء
- سفرنامہ روم ومصر وشام۔علامہ شبلی نعمانی،دارالمصنّفین اعظم گڑھ،۱۹۹۱ء
- شعر العجم (اول تا پنجم) علامہ شبلی نعمانی،دارالمصنّفین اعظم گڑھ،۲۰۱۸ء
- ظل الغمام فی مسئلۃ القراۃ خلف الامام۔علامہ شبلی نعمانی،مطبع نظامی کانپور ۱۲۹۹ھ

- علامہ شبلی کی تعزیتی تحریریں۔ محمد الیاس الاعظمی۔ دارالمصنّفین اعظم گڑھ، ۲۰۱۷ء
- علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط۔ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، مکتبہ جمال لاہور ۲۰۱۵
- کلیات شبلی، اردو۔ مولانا سید سلیمان ندوی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ، ۲۰۱۲ء
- کلیات شبلی، فارسی۔ مولانا سید سلیمان ندوی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ، ۲۰۰۷ء
- مختصر تاریخ بندول، محمد رضی چودھری، شبلی لائبریری بندول اعظم گڑھ، ۲۰۱۵ء
- مراسلات شبلی۔ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ، ۲۰۱٦ء
- مکاتیب شبلی، حصہ اول۔ مولانا سید سلیمان ندوی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ، ۲۰۱۰ء
- مکاتیب شبلی، حصہ دوم۔ مولانا سید سلیمان ندوی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ، ۲۰۱۲ء
- مکتوبات شبلی۔ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ، ۲۰۲۱ء
- نقوش شبلی۔ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۲۰ء
- نوادرات شبلی۔ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی، ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۱۷ء

رسائل

- ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، فروری ۱۹۸۰ء

اشاریہ

علامہ شبلی کے فارسی خطوط

ایک مطالعہ

مرتبہ

مولانا محمد عرفات اعجاز اعظمی

ملنے کا پتہ

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی

اشخاص

○○○

کتب ورسائل

ooo

مقامات

○○○

تعارف مصنف

مرتبہ: شائستہ ریاض

نام : محمد الیاس اعظمی

قلمی نام : ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

ولدیت : حاجی عبد الرزاق مرحوم

پیدائش : ۲۳ر ستمبر ۱۹۶۶ء، بروز جمعہ، صبح ۳۰-۸ بجے

پتہ : موضع مہراج پور، انور گنج، ضلع اعظم گڑھ، ۲۷۶۰۰۱ (یو پی)

رہائش : **شائستہ منزل**، ۶۴۱۔ پورہ غلامی عقب آواس وکاس شہر اعظم گڑھ
پن ۲۷۶۰۰۱ [یو پی]

تعلیم : ایم اے۔ اردو۔ آگرہ یونیورسٹی آگرہ
پی ایچ ڈی، اردو۔ پوروانچل یونیورسٹی، جون پور

مشغلہ : پرنسپل: پری ہائر سکنڈری اسکول، اعظم گڑھ

رابطہ : +919838573645

ای میل : azmi408@gmail.com

تصنیفات، تالیفات، کتابیات اور تراجم

۱۔ اسہل التجوید۔ (فن تجوید) طبع اول: مکتبہ نعیمیہ مئو، ۱۹۸۶ء
طبع دوم: ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۰۴ء
طبع سوم: ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۱۷ء

۲۔ علم الترتیل۔ (فن قرات) دانش بک ڈپو ٹانڈہ، ۱۹۹۶ء

۳۔ تذکرۃ القراء (تذکرہ) دانش بک ڈپو ٹانڈہ، ۱۹۹۶ء، طبع دوم: ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۱۲ء

۴۔ اورنگزیب عالم گیر پر ایک نظر (تدوین) دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، ۱۹۹۹ء

۵۔ علامہ سید سلیمان ندوی بحیثیت مورخ (تاریخ) طبع اول: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ، ۲۰۰۱ء۔ طبع دوم: ادبی دائرہ، اعظم گڑھ۔ جون ۲۰۱۴ء

۶۔ دار المصنّفین کی تاریخی خدمات۔ (تحقیق) خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ، ۲۰۰۲ء

۷۔ اشاریہ ماہنامہ الرشاد۔ ندوۃ التالیف والترجمہ جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ، ۲۰۰۴ء

۸۔ موازنہ انیس و دبیر (تدوین) دار المصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، ۲۰۰۴ء

۹۔ عظمت کے نشاں۔ (شخصیات) ادب کدہ، مہراج پور اعظم گڑھ، ۲۰۰۵ء
اتر پردیش اردو اکادمی لکھنو انعام۔ ۲۰۰۵ء۔ طبع دوم: ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۱۰ء

۱۰۔ ساحلوں کے شہر میں (سفرنامہ) طبع اول: ادب کدہ، مہراج پور اعظم گڑھ، ۲۰۰۶ء
طبع دوم: ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۱۹ء

۱۱۔ شاہ معین الدین احمد ندوی حیات و خدمات (سوانح) ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۰۷ء

۱۲۔ متعلقات شبلی۔ (شبلیات) ادبی دائرہ اعظم گڑھ، ۲۰۰۸ء
اتر پردیش اردو اکادمی لکھنو انعام۔ ۲۰۰۸ء۔ طبع دوم: ادبی دائرہ اعظم گڑھ، فروری ۲۰۱۱ء

۱۳۔ کاروان رفتگاں، مولانا مجیب اللہ ندوی (تدوین) ندوۃ التالیف والترجمہ اعظم گڑھ، ۲۰۰۸ء

۱۴۔ رحمت عالم ہندی (ترجمہ) دار المصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، ۲۰۰۹ء
طبع دوم: دار المصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، ۲۰۱۳ء
طبع سوم: دار المصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، ۲۰۱۷ء
طبع چہارم: دار المصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، ۲۰۲۰ء

۱۵۔ نیو ربی اے ہندو۔ اردو (ترجمہ) اسلامک بک فاؤنڈیشن، دہلی، ۲۰۱۰ء
طبع دوم: اسلامک بک فاؤنڈیشن دہلی، ۲۰۱۷ء

۱۶۔ مطالعات و مشاہدات۔ (شخصیات) ادبی دائرہ، اعظم گڑھ، ۲۰۱۰ء

۱۷۔ کتابیات شبلی۔ (کتابیات) دار المصنّفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۱۱ء

۱۸۔ تاریخ اعظم گڑھ۔ شاہ افضال اللہ (تدوین) ادبی دائرہ، اعظم گڑھ، ۲۰۱۱ء

۱۹۔ شبلی سخنوروں کی نظر میں۔ (شبلیات) ادبی دائرہ، اعظم گڑھ، ۲۰۱۲ء

اتر پردیش اردو اکادمی لکھنو انعام یافتہ ۔۲۰۱۲ء

۲۰۔ مکتوبات شبلی ۔(شبلیات)ادبی دائرہ ،اعظم گڑھ،۲۰۱۲ء

طبع دوم: اضافہ شدہ ایڈیشن، دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ،۲۰۲۱ء

۲۱۔ کتابیں حصہ اول ۔(تبصرے)ادبی دائرہ ،اعظم گڑھ،۲۰۱۲ء

۲۲۔ کتابیں حصہ دوم ۔(تبصرے)ادبی دائرہ ،اعظم گڑھ،۲۰۱۳ء

۲۳۔ آثار شبلی ۔(شبلیات) دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ،۲۰۱۳ء

۲۴۔ علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط ۔(شبلیات)ادبی دائرہ اعظم گڑھ،۲۰۱۳ء

۲۵۔ یگانہ روزگار مولانا عبدالسلام ندوی ۔(سوانح)ادبی دائرہ ،اعظم گڑھ،۲۰۱۳ء

۲۶۔ عکس واثر ۔(تحقیق وتنقید)ادبی دائرہ ،اعظم گڑھ،۲۰۱۳ء

۲۷۔ شبلی شناسی کے سو سال ۔(شبلیات)ادبی دائرہ ،اعظم گڑھ،۲۰۱۴ء

۱۔ بہار اردو اکادمی پٹنہ کا اول انعام ۔سند نمبر۲۰۱۴ء/۰۱۰

۲۔اتر پردیش اردو اکادمی لکھنو انعام ۔۲۰۱۴ء

۲۸۔ کتابیات مجیب ۔(کتابیات)ادبی دائرہ ،اعظم گڑھ،۲۰۱۴ء

۲۹۔ شذرات شبلی ۔(شبلیات)دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی ،اعظم گڑھ،۲۰۱۴ء

۳۰۔ اقبال اور دبستان شبلی ۔(تحقیق وتنقید)ادبی دائرہ ،اعظم گڑھ،۲۰۱۵ء

۳۱۔ قرائے عظام اور ان کی علمی ودینی خدمات (تذکرہ)ادبی دائرہ ،اعظم گڑھ،۲۰۱۴ء

۳۲۔ شبلی اور جہان شبلی ۔(شبلیات)ادبی دائرہ ،اعظم گڑھ،۲۰۱۵ء

۳۳۔ مراسلات شبلی ۔(شبلیات)دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی ،اعظم گڑھ،۲۰۱۶ء

۳۴۔ کلیات نشور واحدی حصہ غزلیات (ترتیب)ادبی دائرہ ،اعظم گڑھ،۲۰۱۶ء

۳۵۔ محبت نامے ۔(خطوط بنام ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی)ادبی دائرہ ،اعظم گڑھ،۲۰۱۷ء

۳۶۔ نوادرات شبلی ۔(شبلیات)ادبی دائرہ ،اعظم گڑھ،۲۰۱۷ء

جان گل کرسٹ ایوارڈ ۔مغربی بنگال اردو اکادمی کولکاتا ۔

۳۷۔ شبلی خود نوشتوں میں ۔(شبلیات)ادبی دائرہ ،اعظم گڑھ،۲۰۱۸ء

۳۸۔ قد اور سائے۔(تحقیق وتنقید)ادبی دائرہ،اعظم گڑھ،۲۰۱۹ء
۳۹۔ علامہ شبلی کی تعزیتی تحریریں(شبلیات)دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ،۲۰۱۹ء
۴۰۔ نقوش شبلی۔(شبلیات)ادبی دائرہ،اعظم گڑھ،۲۰۲۰ء
۴۱۔ کلام شبلی کے اعلام واشخاص۔(شبلیات)ادبی دائرہ،اعظم گڑھ،۲۰۲۰ء
۴۲۔ بیان شبلی جلد اول(شبلیات)ادبی دائرہ اعظم گڑھ،۲۰۲۰ء
۴۳۔ تصانیف شبلی کے تراجم،ادبی دائرہ اعظم گڑھ،۲۰۲۱ء
۴۴۔ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں علامہ شبلی کا حصہ۔دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ،۲۰۲۱ء
۴۵۔ خطبات شبلی۔دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ،۲۰۲۱ء
۴۶۔ انجمن ترقی اردو میں علامہ شبلی کا حصہ۔(زیر طبع)
۴۷۔ بہار رفتہ۔(زیر طبع)

رکن مجلس ادارت ومشاورت :

۱۔شبلی نیشنل کالج میگزین۔اعظم گڑھ
۲۔ماہ نامہ الرشاد اعظم گڑھ
۳۔ماہ نامہ آموزگار،جل گاؤں
۴۔سہ ماہی مجلّہ فکر ونظر اسلام آباد
۵۔سہ ماہی مجلّہ جہات الاسلام لاہور
۶۔ادبی گزٹ مئو
۷۔سہ ماہی تخلیق وتحقیق،مئو
۸۔سہ ماہی رشد وہدایت۔مبارک پور

اعزاز ، انعام ، ایوارڈ :

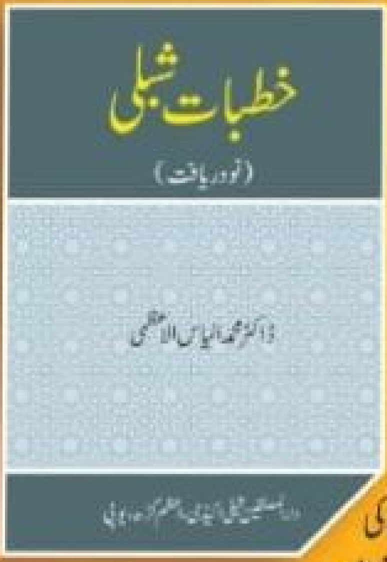
۱۔رفیق اعزازی : دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی،اعظم گڑھ،۲۰۰۹ء
۲۔افتخار شبلی ایوارڈ : شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ،حیدرآباد،۲۰۱۶ء
۳۔امتیاز شبلی ایوارڈ: شعبہ اردو شبلی نیشنل پی جی کالج،اعظم گڑھ ۲۰۱۷ء
۴۔جان گل کرسٹ ایوارڈ ۲۰۱۷ء: مغربی بنگال اردو،اکادمی،کولکاتا
۵۔مسعود حسن رضوی انعام برائے تحقیق ۲۰۱۸ء : اتر پردیش اردو اکادمی،لکھنو
۶۔سند توصیف : بزم حفیظ جون پوری شیراز ہند جون پور،۲۰۱۹ء

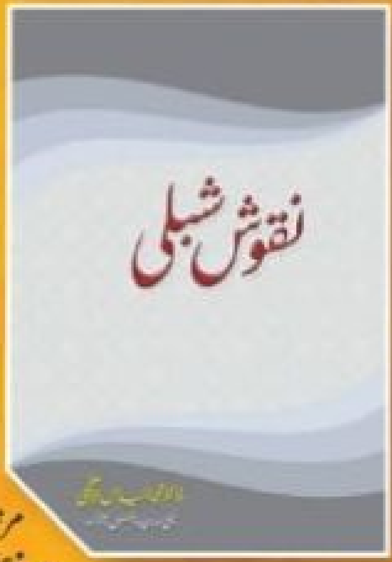
ALLAMA SHIBLI KE FARSI KHOTOOT

EK MOTALEA

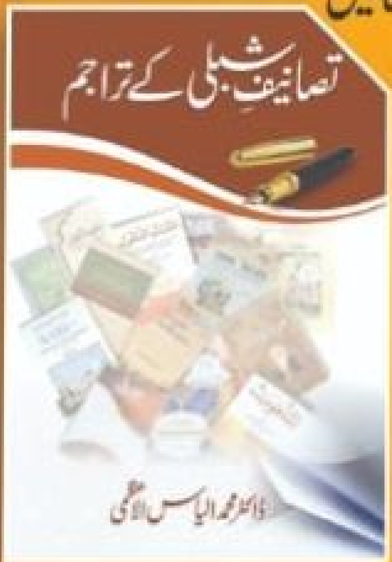
Edited by

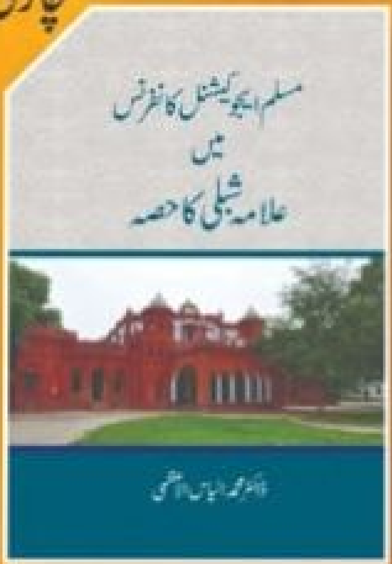
Dr. Mohammad Ilyas Azmi





مرتب کی
چار نئی کتابیں





ISBN 978-93-92496-88-2

978-93-92496-88-2

www.ephbooks.com

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
New Delhi , INDIA